در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

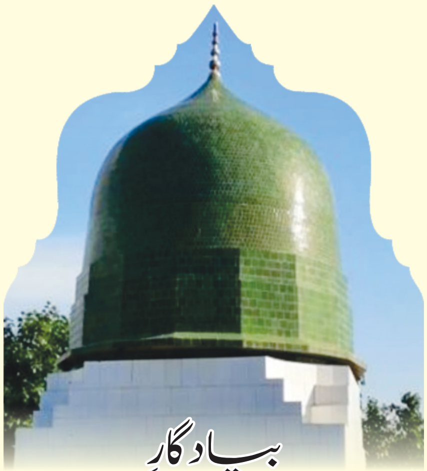

بیادگارِ

حضرت ابو البرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

الحسن

پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدیر اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

رجسٹرڈ نمبر
پی ۳۶۹

پندرہ روزہ
الحسن پشاور

سرپرست اعلیٰ
(فقیر) سید
محمد نور الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۳-۴
جلد نمبر ۱

یکم اگست یا ۳۱ اگست ۲۰۲۴ء
صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے عکاس پرنٹرز محلہ جنگی پشاور سے
طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

کیسے جا الحسن سے خدمت دیں!

الحاج مولانا حامد حسن بلگرامی

کیسے جا الحسن سے خدمت دیں
سمند عزم کو ہرگز نہ ٹھہرا

رہا محروم ساحل پر رہا جو
وہ اترا جو کہ دریا میں ہے تیرا

مے حب نبی کے جام وخم ہیں
تری ایک ایک سطر، ایک ایک پیرا

اشاعت کر زیادہ سے زیادہ
بگردش آر ایں مینا وے را

یہی دل سے دعائے قادری ہے
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	(فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری	۳
۲	حمد باری تعالی	علامہ محمد ابرہیم صائم چشتی	۶
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۷
۴	شبیہ رسول امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام	ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک	۱۵
۵	نعت شریف	محمد اعظم چشتی	۱۸
۶	مقام اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹
۷	شرح در معنی حریت اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا	ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک	۲۷
۸	شاہ حبشہ	افتخار احمد حافظ قادری	۳۳
۹	منقبت بحضور سیدنا امام حسن علیہ السلام	علامہ سید نصیر الدین نصیر گیلانی	۳۸
۱۰	سید عبدالستار شاہ باچاجان رحمۃ اللہ علیہ	علی اویس خیال	۳۹
۱۱	تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار	حافظ محمد شاہد ودود قادری	۴۶
۱۲	حالات حاضرہ	شبیر حسین امام	۵۱
۱۳	خلافت راشدہ کے آخری تاجدار	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۵۳
۱۴	غزل	سید ضمیر جعفری	۵۶
۱۵	صفر المظفر میں چوری اور کھیر کی نیاز	سید محمد انور شاہ قادری	۵۷
۱۶	تبصرہ کتب	حافظ محمد شاہد ودود قادری	۶۳

شذرہ

خوش آئند فیصلہ

(فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کی سربراہی میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے تین رکنی بینچ نے بالآخر ۲۲ اگست ۲۰۲۴ء کو مذہبی حلقوں کی جانب سے قادیانیوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے حوالے سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے مبارک احمد ثانی کیس میں اپنے فیصلے سے متنازعہ حصوں کو حذف کر دیا۔

عدالت عظمیٰ نے اپنے حالیہ فیصلے میں یہ بھی کہا کہ ان متنازعہ حصوں کو آنے والے دنوں میں عدالتوں میں نظیر کے طور پر بھی پیش نہیں کیا جا سکے گا۔ اگرچہ اس فیصلے تک پہنچنے میں عدالت عالیہ کو کافی وقت لگ گیا لیکن 'دیر آید درست' کے مصداق اسے ایک خوش آئند فیصلہ قرار دیا جانا چاہیئے۔
''الحسن'' کے قارئین کے لیے اس کیس کو یہاں اجمالاً زیر بحث لایا جا رہا ہے تاکہ انہیں اس کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

اس تمام قضیہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس سال ۶ فروری کو عدالت عظمیٰ کے ایک دو رُکنی بینچ، جو چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ اور جسٹس مسرت ہلالی پر مشتمل تھا، نے مبارک احمد ثانی نامی ایک قادیانی، جس پر ایک بین شدہ کتاب ''تفسیر صغیر'' کو لوگوں میں تقسیم کرنے الزام تھا، کے مقدمہ کی سماعت کرتے ہوئے پانچ ہزار روپے کے مچلکوں پر اس کی فوری رہائی کا حکم دیا۔
عدالت کا استدلال تھا کہ جرم ۲۰۱۹ء میں وقوع پذیر ہوا تھا لیکن اس وقت تک پنجاب ہولی قرآن (پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ) ترمیمی ایکٹ ۲۰۲۱ء نافذ نہیں ہوا تھا۔ کسی بھی بین شدہ کتاب کی تقسیم کو قابل تعزیر جرم اس قانون میں ۲۰۲۱ء میں کی جانی والی ترمیم کے تحت کیا گیا تھا اس لیے اس کا اطلاق مبارک

ثانی پر نہیں ہوتا۔

دوسری طرف شکایت کنندہ کے وکیل کا نظر ثانی اپیل میں موقف تھا کہ اگرچہ ۲۰۱۹ء کے ایکٹ میں لفظ "تقسیم کنندہ" شامل نہیں ہے لیکن "ناشر" یعنی پبلشر کا لفظ اس میں موجود تھا اور ناشر ہی "تقسیم کنندہ" ہوتا ہے۔

اسی مقدمہ سے متعلق ملزم کی ضمانت کے لیے دائر پٹیشن پر عدالت کا یہ کہنا تھا کہ بین شدہ کتاب کی تقسیم کی سزا چھ ماہ ہے جبکہ مبارک ثانی گذشتہ تیرا ماہ سے قید ہے تو وہ اس جرم کے لیے قانونی طور پر متعین سزا سے زیادہ سزا کاٹ چکا ہے۔

فیصلہ کے پیرا نمبر ۹ میں عدالت عظمیٰ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی قرآنی آیت کا حوالہ اور سہارا لیتے ہوئے کہتی ہے کہ دین میں کوئی سختی نہیں ہے اور اسی نص قرآنی کے تحت پاکستان کے آئین میں بنیادی انسانی حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے یہ بینچ لکھتا ہے کہ آئین کی آرٹیکل ۲۰ (الف) کے تحت "ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا حق ہوگا"۔ اسی طرح آرٹیکل ۲۰ (ب) کا حوالہ دیتے ہوئے فاضل جج لکھتے ہیں کہ "ہر مذہبی گروہ اور اس کے ہر فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے، برقرار اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا۔" مزید لکھتے ہیں کہ آئین کے آرٹیکل ۲۲ (۳،الف) کے تحت "کسی مذہبی فرقے یا گروہ کو کسی تعلیمی ادارے میں جو کلی طور پر اس فرقے یا گروہ کے زیر اہتمام چلایا جاتا ہو، اس فرقے یا گروہ کے طلباء کو مذہبی تعلیم دینے کی ممانعت نہ ہوگی۔"

یہی پیرا تمام تر تنازع کی وجہ بنا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سوالات جب عدالت کے سامنے آئے ہی نہیں تو ان چیزوں کی بے جا تشریح و توضیح کی کیا ضرورت آن پڑی تھی۔ فاضل عدالت یقیناً اس بات کو بخوبی جانتی ہوگی کہ فیصلے میں آئین کا حوالہ دے کر لکھ دیا جانا کہ "ہر شہری کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق حاصل ہے" تو اس سے قادیانیوں کو اپنے باطل مذہب کی تبلیغ کا جواز میسر ہو جائے گا بلکہ مستقبل میں اسے قانونی نظیر کے طور پر بھی پیش کیا جانا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ پنجاب حکومت نے اس پر نظر ثانی اپیل دائر کی جس کا ۷ ۲ صفحات پر مشتمل فیصلہ امسال ۲۴ جولائی کو آیا۔ اس فیصلہ میں حکومت پنجاب کی جانب سے دائر کی گئی نظر ثانی درخواست نمبر ۲ کو منظور کرتے ہوئے عدالت نے قرار دیا کہ ''مذہبی آزادی کا بنیادی حق، جس کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے، قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع ہے۔'' جبکہ نظر ثانی کی دیگر دو درخواستوں کو مسترد کر دیا۔

عدالت عالیہ کی اس ہٹ دھرمی یا قادیانیت کے حوالے سے دین اسلام کی روح سے ناواقفیت کے باعث کئے گئے اس فیصلے کو نہ صرف مذہبی حلقوں نے بلکہ سیاسی جماعتوں نے بھی مسترد کر دیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس پر اپنے تحفظات کا کھل کر اظہار کیا۔ دوسری جانب قومی اسمبلی میں حکومتی اور اپوزیشن جماعتوں نے بھی اس فیصلے کی مذمت کی جبکہ خیبر پختونخوا کی اسمبلی نے متفقہ قرارداد کے ذریعہ سپریم کورٹ کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ ملک گیر احتجاجی جلسے، جلوس اور ریلیاں اس کے علاوہ ہیں۔

ان تمام عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس مقدمہ کی حساسیت اور نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس ماہ کی ۲۲ تاریخ کو عدالت عظمیٰ نے مختلف علماء کرام بشمول صاحبزادہ ابوالخیر زبیر، مفتی تقی عثمانی، مولانا فضل الرحمٰن، مفتی شیر محمد اور فرید پراچہ کی معاونت سے عدالت اپنے فیصلے سے نہ صرف متنازعہ پیراؤں کو حذف کرنے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی قرار دے دیا کہ پیراؤں کو عدالتوں میں نظیر کے طور پر نہیں پیش کیا جاسکے گا۔

ہماری نہ صرف اعلیٰ عدلیہ بلکہ ماتحت عدلیہ سے بھی گذارش ہے کہ اس قسم کے مقدمات کے فیصلے کرتے وقت علمائے کرام اور مشائخ عظام کے علم اور تجربہ سے استفادہ کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ اس مقدمہ میں ہم نے دیکھا کہ چھ ماہ سے زائد عرصہ تک پاکستانی عوام کو ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا رکھا گیا اور عدالت کا قیمتی وقت بھی ضائع کیا گیا۔ اور اگر اب بھی اسے دانش مندانہ طریقے سے حل نہ کیا جاتا تو ملک بھر میں امن عامہ کی صورت حال سنگین شکل اختیار کر سکتی تھی۔

عدالتوں کو خود کو مقدمہ کے مندرجات تک محدود رکھنا چاہئے اور جو سوالات یا معروضات پٹیشن میں درج نہ ہوں ان پر خواہ مخواہ اپنی زبانی اور تحریری آراء دینے سے گریز کرنا چاہئے۔ اس سے نہ صرف عدالت کا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ خود عدالت کو مشکل صورتحال سے دوچار بھی ہونا پڑ سکتا ہے۔

حمد باری تعالیٰ

علامہ محمد ابرہیم صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تو بڑا رحیم و کریم ہے تیری شان جل جلالہ

تو بصیر ہے، تو قدیر ہے، تیری شان جل جلالہ
تو قیوم ہے، تو قدیم ہے، تیری شان جل جلالہ

ہے یہاں بھی تو، ہے وہاں بھی تو، ہے عیاں بھی تو، ہے نہاں بھی تو
تو گلوں میں مثل شمیم ہے، تیری شان جل جلالہ

تیرا ذرے ذرے میں نور ہے، تیرا ہر جگہ پہ ظہور ہے
تو خبیر ہے، تو علیم ہے، تیری شان جل جلالہ

تو کہاں اے میرے خدا نہیں، کوئی شے بھی تیرے سوا نہیں
تو عظیم ہے، تو عظیم ہے، تیری شان جل جلالہ

تیرے در پہ خیر کثیر ہے، تیرے در کا صائم فقیر ہے
تیرا عام لطف عمیم ہے، تیری شان جل جلالہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نمبر ۱۴۰/۴ : حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْمَجِيدِ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ قِيلَ لَهُ أَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارٰى فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ فَقِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهٗ

ترجمہ: سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول فرمائی ہے؟ تو سہل نے فرمایا حضور ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کو اس وقت تک نہیں دیکھا جس وقت تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لی۔ تو پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ کے عہد مبارک میں تمہارے پاس چھلنیاں تھیں؟ تو سہل نے کہا کہ ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں۔ تو پوچھا گیا کہ تم جَو کے آٹے کو کس طرح صاف کرتے تھے؟ تو سہل نے کہا کہ ہم اس کو پھونک مارتے، جو تنکے وغیرہ اُڑ جاتے پھر ہم اس آٹے کو گوندھ لیتے۔

حل لغات: اَلنَّقِيُّ: چھنا ہوا آٹا، میدہ، اس کو حُوّاری بھی کہتے ہیں۔ مَنَاخِلٌ: چھلنیاں اس کا واحد مُنْخُلٌ ہے۔ نَعْجِنُ: ہم گوندھتے تھے۔ عَجِيْنٌ: آٹا پانی میں گوندھا ہوا۔ عَجْنٌ: گوندھنا (یعنی مٹھی سے زور کر کے دبانا)۔

تشریح: سہل بن سعد کے ارشاد سے کہ "حضور ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کو اس وقت تک نہیں دیکھا جس وقت تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لی"۔ معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول نہیں فرمائی بلکہ موٹے آٹے کو ہی پھونکوں سے صاف کر کے روٹی بنا کر نوش فرماتے۔ ایک دوسری حدیث مبارک (صحیح ابن حبان برقیم ۶۳۴۷) میں آیا ہے

"مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِينِ ابْتَعَثَهُ اللهُ حَتَّى قَبَضَهُ"

یعنی حضور ﷺ کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا وفات تک کبھی میدہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں "آپ ﷺ بے چھنے آٹے کی گیہوں یا جَو کی روٹی کھاتے رہے" طبّی نقطہ نگاہ سے بھی اَن چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی معدہ پر ثقل اور گرانی پیدا کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۱/۵: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرَّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مَرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰى مَا كَانُوْا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلٰى هٰذِهِ السُّفَرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يُونُسُ هَذَا الَّذِي رَوَى عَنْ قَتَادَةَ هُوَ يُونُسُ الْإِسْكَافُ

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ ﷺ کے لیے چپاتی پکائی گئی، جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے دریافت کیا کہ کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے تو انہوں نے کہا کہ اسی دسترخوان پر۔

حل لغات: خِوَانٌ: هو الشيء المرتفع الذي يأكل عَلَيْهِ أهل الأمصار اہل شہر میز یا چوکی پر جو کہ زمین سے اونچی ہو کھانا کھاتے ہیں اسے خُوَان یا خِوَان کہتے ہیں۔ سُكُرُّجَة: (وهي كما قَالَ ابن العربي) اناء صغير يوضع فيه الشيء القليل، من المشهيات كالسلاطة

والمخلل وماشابهما) اس چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جس میں تیل سرکہ اور اسی قسم کی چیزیں رکھی ہوں، چھوٹی تشتری، چھوٹی پیالی جس میں چٹنی، اچار، مربہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ **مُرَقَّقٌ**: باریک اور پتلی روٹی جس کو مانڈا بھی کہتے ہیں۔ **اَلسُّفُر**: دسترخوان چمڑے کا ہو یا کپڑے کا، درحقیقت سفرہ مسافر کے کھانے کو کہتے ہیں جسے وہ ایک گول جیسے چمڑے میں لپیٹ رکھتا ہے اب عرف میں **سُفْرہ** مطلق دسترخوان کو کہنے لگے ہیں۔

تشریح: انس بن مالک کا ارشاد ہے کہ ''نبی ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا'' شارحین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے لکھا ہے کہ متکبر اور سرکش لوگوں کی یہ عادت ہے کہ میز یا چوکی پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں اس لیے ایسی عادت یا طریقہ سے جس میں تکبر یا سرکشی کی بو بھی پائی جائے سیّد المرسلین ﷺ نے منع فرمایا۔ صاحب اتحافات الربانیہ علامہ احمد عبدالجواد الدومی (صفحہ ۲۰۶) اس مقام کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"**وجاء النهي عنه إذا قصد الآكلون تكبرا، فان لم يقصدوا ذلك فلا جناح**"

یعنی جس وقت کھانے والے تکبر کا ارادہ کریں تو بالکل اس طرح کھانا منع ہے اور اگر تکبر کا ارادہ نہ ہو تو پھر حرج نہیں۔

جمع الوسائل صفحہ ۱۹۷ جلد اوّل میں حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری نے بھی لکھا ہے کہ ''میز پر کھانا کھانا ہمیشہ سے متکبر لوگوں کی عادت رہی ہے''۔ انس بن مالک کا ارشاد ہے کہ ''حضور ﷺ نہ ہی چھوٹی رکابیوں میں کھانا تناول فرماتے''۔ علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کے گرد جوارشات چٹنی اچار وغیرہ رکھے جاتے ہیں تا کہ اشتہا بہت ہو اور کھانا زیادہ کھایا جائے اور خواہشات نفسانی کا ذریعہ بنے حضور ﷺ نے تو اتنا کھانا تناول فرمایا کہ کچھ بھوک ابھی رہ جاتی اور وجود کو اتنی قوت رہتی کہ عبادت اور تبلیغ میں کمی نہ ہو۔ حضرت علامہ مولانا مولوی محمد عاقل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بعض شارحین فرماتے ہیں:

سُکُرَّجَة عبارت است از کاسہ خورد کہ نہادہ شود پر از طعام پیش ہر یکے و دیگرے

درو شریک نشود۔ پس آنحضرت (ﷺ) تنہا در وے طعام نخوردہ بلکہ با خود دیگرے راشریک میساخت

یعنی سُکُرَّجَۃ چھوٹے پیالے سے عبارت ہے جس میں ہر ایک آدمی کے آگے کھانا ڈال کر رکھ دیا جاتا ہے اور دوسرا اس پیالے میں شریک نہیں ہوتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے اکیلا اس میں کھانا نوش نہیں فرمایا بلکہ دوسرے کو اس میں شریک فرماتے۔

حضرت محدث کبیر استاذ محترم صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب پشاوری فرماتے تھے کہ ''ہندو مشرک الگ الگ کولیاں یعنی چھوٹے چھوٹے برتن لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کھاتے ہیں لہٰذا اس طرح الگ الگ ایک چھوٹے برتن میں کھانا لے کر کھانا ان کافروں کے ساتھ تشبہ کا باعث ہے لہٰذا یہ مکروہ تحریمہ ہے اس طریقہ سے بچنا چاہئے۔'' انس بن مالک کا ارشاد ہے کہ ''نہ ہی آپ ﷺ کے لیے چپاتی پکائی گئی'' آنحضور ﷺ بغیر چھنے آٹے کی روٹی تناول فرماتے، میدہ جس کو مانڈا بھی کہتے ہیں کی پتلی روٹی نہیں کھائی بلکہ آٹے کو جو چکی سے یا پتھر پر پیسا جاتا، پھونک مار کر صاف کر لیتے، جو بڑے بڑے تنکے وغیرہ ہوتے وہ صاف ہو جاتے اور پھر اسے گوندھ کر پکا کر کھاتے۔ علامہ وحید الزمان صاحب نے لکھا ہے کہ میدہ قابض، ثقیل، دیر ہضم اور مسدد ہے۔ میدہ کھانے والے اکثر قولنج، بدہضمی اور نفخ کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، بواسیر اور قبض کی شکایت اکثر رہتی ہے۔'' جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے تو انہوں نے کہا کہ اپنے دسترخوان پر'' یعنی یہ جو چمڑہ یا کپڑا ہے اسے بچھا کر اس پر کھانا رکھتے اور پھر تناول فرماتے اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ حضرت رئیس الاولیاء امام حسن بصری کا ارشاد ہے:

''والأكل على الخوان فعل الملوك، وعلى المنديل فعل العجم، وعلى السفرة فعل العرب وهو سنة''

یعنی میز یا چوکی پر کھانا بادشاہوں کا عمل ہے، اور رومال پر کھانا عجم کا عمل ہے اور دسترخوان پر کھانا عرب کا عمل ہے اور وہی سنّت ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۲/۶ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا وَاللهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ

ترجمہ: مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمایا کہ میں سیر ہو کر کبھی کھانا نہیں کھاتی مگر میرا جی رونے کو چاہتا ہے اور میں روتی ہوں۔ مسروق نے کہا کہ میں نے دریافت کیا کہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا میں اس حالت کو یاد کرتی ہوں جس پر حضور ﷺ نے اس دنیا سے مفارقت اختیار فرمائی۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ حضور ﷺ کبھی دن میں دو مرتبہ بھی روٹی یا گوشت سے شکم سیر نہیں ہوئے۔

حل لغات: بُكَاءٌ: رونا۔ لَحْم: گوشت۔

تشریح: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ کو فرمایا کہ جناب مسروق رضی اللہ عنہ کو کھانا کھلائے۔ اس وقت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور پاک ﷺ کی زندگی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور شدتِ حزن سے آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور اس کیفیت کا اظہار بھی جناب مسروق کے آگے بیان کیا۔

حدیث نمبر ۱۴۳/۷ : حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے جَو

کے آٹے کی روٹی سے پے در پے دو دن بھی شکم سیری نہیں فرمائی یہاں تک کہ وصال ہو گیا۔

تشریح: اسی باب کی پہلی حدیث مبارک میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ علیہم السلام کے اسی طرح زندگی بسر فرمانے کا ذکر تھا۔ اب اس حدیث مبارک میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنفس نفیس اپنا ذکر خیر ہے، اپنی ذات مبارکہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو اختیار فرمایا تھا کہ اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **اَلْفَقْرُ فَخْرِی** یعنی ''فقر میرا فخر ہے''۔

حدیث نمبر ۸/ ۱۴۴: **حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ**

ترجمہ: جناب انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور وصال مبارک تک نہ ہی کبھی چپاتی کی روٹی کھائی۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بالتصریح فرمادیا کہ ''حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ ہی وصال مبارک تک چپاتی کی روٹی کھائی''۔ حدیث نمبر ۵/ ۱۴۱ میں یہ تصریح نہیں تھی۔ حضرت علامہ الامام المحدث الشیخ عبد الرؤف المناوی المصری المتوفی ۱۰۰۳ ہجری (صفحہ ۲۴۴ پر) اس حدیث شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

''لما دخل المولی ابن الکمال القاهرة سئل فی مدة اقامته بها عن الفقر مع کونه سواد الوجه فی الدارین کیف کَانَ فخر مفخر الناس۔ فاجاب بان کون الفقر سواد الوجه جهة مدح لا جهة ذم فلا ینافی افتخار المصطفٰی به ولا کونه کَانَ شعاره بل یساعده لان المراد من الوجه ذات الممکن فان اطلاق الوجه علی الذات لتابع فی کلام العرب یقَالَ کرم الله وجه ای ذاته و

من الفقر احتیاجه فی وجوده و سائر کمالاته المتفرعة عَلَيْهِ الی الغیر و کون ذٰلِكَ الاحتیاج سواد وجهه عبارة عن لزومه لذاته فی داری الدنیا و الآخرة بحیث لا ینفك عنه کما لا ینفك السواد عن محله اصلا فانه من بین الالوان ممتاز بتلك الخصوصیة و کذلك شبه الاحتیاج به فلولا ذٰلِكَ الفقر فی ذات الممکن لما کان محتاجا الی ذٰلِكَ الغیر اذ حینئذٍ یلزم کونه ممتنعاً بالذات لا بغلبة الحاجة الی الغیر و لو لم یکن الممکن محتاجا الی الغیر لما قابلا للاستفاضة من الغیر بقبوله الفیض اثر ذٰلِكَ الفقر و دوام ذٰلِكَ القبول دوامه فاستبان ان کونه سواد الوجه فی الدارین جهة مدح لاذم ثُمَّ ان الفیض انما یزداد بحسب شدة ذٰلِكَ الفقر و از دیادہ و تمکنه و هو فی سیّد الانبیاء و سیّد الاولیاء فی نهایة الکمال بدلالة انه اکمل الموجودات الممکنة فلهذا کَانَ الفقر شعاره و به افتخاره۔

یعنی جس وقت حضرت ابن کمال قاہرہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے اس جگہ اقامت کی مدت کے اندر آپ سے یہ سوال کیا کہ جب فقر کے متعلق یہ حدیث وارد ہے کہ یہ دونوں جہان کی روسیاہی ہے تو مفخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فخر کرنے کی جگہ) نے یہ کیوں فرمایا کہ فقر مجھ سے ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔ تو آپ نے یہ جواب دیا کہ سواد الوجہ کے دو لفظ حسن کو ظاہر کرتے ہیں نہ کہ قبح کو یعنی قابل تعریف ہیں نہ کہ قابل برائی۔ پس یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر پر فخر کرنے کے منافی نہیں ہے اور اس بات کے منافی ہے کہ فقر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعار تھا (طریق) بلکہ عین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مطابق ہے۔ کیونکہ اولاً وجہ سے مراد ذات ہے کیونکہ وجہ کا معنی ذات لینا کلام عرب کے عین تابع ہے جیسا کہ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے اور یہاں وجہہ سے مراد ذات ہے (دوم) فقر کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محتاجی اپنے وجود کے لیے اور

اپنی اس ذات اقدس کے لیے ہے جس کے تمام کمالات اور اس کی قسمیں مخلوق خدا کے لیے فیض رساں ہیں۔(سوم) اس احتیاج کا منہ کے لیے (سیاہی) بننے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ان صفاتِ کمالیہ ظاہریہ و باطنیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ لازم ہونا ثابت ہے اور یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا ایک ایسا ضروری جزو بن چکی ہیں کہ ان کو آپ سے علیحدہ کرنا یا مٹانا ایسا محال ہے جس طرح کہ سیاہی کو اس کے مقام سے مٹانا ہے چہ جائیکہ وہ دوسرے تمام رنگوں میں اس خصوصیت سے ممتاز ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاج کو اس سے تشبیہ دی اور اگر یہ فقر جس کی اوپر تشریح کردی گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نہ ہوتا تو ماسوا حضور کے تمام مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محتاج نہ ہوتی اور پھر معاذ اللہ یہ کہنا پڑتا کہ طبعاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کچھ فیض ذاتی نہیں پہنچا سکتے اور بلحاظِ ذات ان کی فیض رسانی غیر کو محال ہے۔ اس وجہ سے محال نہیں ہے کہ ماسوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی تمام مخلوق کثرت سے اور شدت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محتاج ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ ذاتی طور پر کسی فیض رسانی کے مجاز نہیں ہیں اور اگر ایک شخص کسی چیز کے لیے کسی غیر کا محتاج نہ ہو تو کسی سے فیض حاصل کرنے کے ہرگز قابل نہ ہوگا اور نہ قبول کر سکے گا۔(چہارم) فیض کیا ہے؟ یہ اسی فقر (احتیاج) جس کی تعریف گزر چکی ہے اور جب تک یہ فیض جاری رہے گا تب تک لوگ اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے اور اس کا عکس بھی درست ہے۔ یعنی جب تک اس فیض کی قبولیت کو دوام ہے تب تک اس فیض کو ہمیشگی نصیب ہے۔ پس یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ دونوں جہان کے لیے سواد الوجہ کے کلمات کا استعمال ایک ایسی صفت ہے جو کہ لازمی ہے پھر ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس قدر یہ فقر (احتیاج) زیادہ اور مستقل ہوگا اسی قدر جریانِ فیض بھی شدت سے ہوگا اور چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات اور کائنات سے بلحاظ کمالات اہم ہیں اس لیے یہ وصف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں نہایت درجہ موجود تھا۔ پس ایسا فقر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعار تھا اور اس پر اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فخر تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ صِفَةِ اَكْلِ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ پورا ہو گیا۔

(جاری ہے)

شبیہ رسول امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک

آپ علیہ السلام مرج البحرین یلتقیان کے پہلے اللولوء و المرجان ہیں۔ مولودِ کعبہ اور حوراء ادمیہ علی و فاطمہ علیہما السلام کی پہلی توسیع تطہیر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبط اول، نقیب اول، عترتِ اول اور فرزند اول ہیں۔

آپ کا نام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور شبر رکھا۔ امام حسن علیہ السلام اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب فرزند ہیں۔ امام حسن علیہ السلام ۱۵ رمضان الکریم ۳ ہجری کو معمورۃ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عالم ناسوت میں امام حسن علیہ السلام نے سات یا آٹھ سال گزارے۔

مباہلہ کے شہود میں آپ علیہ السلام بدرجۂ ثانیہ شامل تھے۔ آپ علیہ السلام اصحابِ عبا میں مرتبۂ ثالثہ کے حامل ہیں۔ نفوسِ رسول، اصحابِ تطہیر اور اہل المودۃ میں امام حسن علیہ السلام کا شمار مستا رہے۔

آنجناب علیہ السلام کثرت سے انفاق کرنے والے اور طعام کھلانے والے تھے۔ سخاوت اور جود وعطا کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو کریم اہل البیت کہا جاتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے پچیس مرتبہ مدینہ طیبہ سے پیدل سفر فرما کر بیت العتیق کا حج کیا، محبانِ اہل بیت کی جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔

امام حسن علیہ السلام کا سلیقہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ادوار میں **و تعاونوا علی البر و التقوی** رہا۔ آپ علیہ السلام حق کی نصرت میں پیش پیش رہتے تھے اور خلاف عدل امور میں تادیب وترہیب فرماتے تھے۔ مولی المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ظاہری خلافت میں آپ علیہ السلام ان کے مشیر اور ناصر رہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد آپ علیہ السلام نے امامت وخلافت میں ان کی نیابت کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔

بغاۃ شام نے آپ علیہ السلام کے ساتھ بھی سخت شقاوت کا مظاہرہ کیا، سازشوں کے جال بچھائے، مکرو فریب کی تاریخ رقم کی۔آپ علیہ السلام کے پاس جبال جتنی افواج تھیں۔آپ بغاۃ شام، اشقیاء دمشق کو نشانِ عبرت بنا سکتے تھے لیکن آپ علیہ السلام امام الطاہرین والعادلین ہیں۔آپ علیہ السلام نے امت کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کو ترجیح دی اور اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

مدینہ منورہ تشریف لائے اور اہل اسلام وایمان کی روحانی قیادت اور تزکیۃ النفوس میں مصروف ہو گئے۔جب آپ علیہ السلام کی ظاہری خلافت سے دست بردار ہوئے تو یہ ایک لحاظ سے اعداء اور احباء دونوں پر اتمامِ حجت تھا۔اعداء کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور احباء پر مودۃ اور تمسک کی ضرورت وافادیت کا باب کھل گیا۔

امام حسن علیہ السلام مدینہ طیبہ میں مرجع امت رہے اور صالحین وابرارِ امت آپ علیہ السلام سے خوشہ چین ہوتے رہے۔بنو امیہ اور ان کے گماشتوں نے آپ علیہ السلام کو زہر دلوا کر شہید کیا۔یہ پُر ملال سانحہ ۲۸ صفر المظفر ۵۰ ہجری کو رونما ہوا۔آپ علیہ السلام نے جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں استراحت فرما ہونے کی آرزو کی لیکن مروان ابن الحکم ملعون اور ان کے قبیلے کے دیگر افراد کی طرف سے مخالفت ہوئی۔جب نوبت ہنگامہ تک پہنچی تو امام حسین علیہ السلام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے پیغام بھیجا کہ میرے بھائی کی جنت البقیع میں تدفین کی جائے۔اس طرح آپ علیہ السلام نے دنیا سے جاتے وقت بھی امت کے لیے خیر اور صلح کا عندیہ چھوڑا۔

آپ علیہ السلام کی مرویات ''مسند امام مجتبیٰ'' میں محفوظ ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو ریحانۃ الرسول، سبطِ رسول، سید شباب اہل الجنۃ کے القاب سے نوازا تھا۔امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ شبیہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام شہیر تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ حسن ابن علی علیہ السلام ہیں۔

امام حسن کے ختم (مہر یا انگوٹھی) پر العزۃ للہ اور حسبی اللہ کے کلمات منقش ومرتسم تھے۔آپ کے اذنین میں آذان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس عطا فرمائی اور عقیقہ کا اہتمام بھی خود کیا۔آپ

سفر حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور بیعت رضوان کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے کثیر الازواج اور اکثر الطلاق ہونے کی روایات بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ یہ بنو امیہ کے بہتان اور مستشرقین کے مفتر ایات ہیں۔ آپ کی ازواج جعدہ، ام بشیر، حولہ، حفصہ، ام اسحاق، نفیلہ ہیں۔

بعض روایات کے مطابق جعدہ کے ذریعے بنو امیہ نے آپ علیہ السلام کو زہر دلوایا۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خود جعدہ کو اس کا علم نہیں تھا، ان تک ان کے والد کے ذریعے شہد پہنچایا گیا کہ یہ امام کے لیے ہدیہ ہے۔ حسن مثنیٰ، زید، عمرو، حسین، طلحہ، قاسم، عبداللہ، عبدالرحمان، فاطمہ، ام سلمہ، رقیہ آپ کی مشہور اولاد امجاد ہیں--- علیہم السلام۔

آپ کی نسل پاک حسنی مثنیٰ سے چلی اور امام حسین علیہ السلام کی نسل مبارک امام زین العابدین علیہ السلام سے ضوفشاں ہوئی۔ اہل مشرب کہتے ہیں کہ اہل المدار امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور اہل الارشاد امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ بقول حکیم الامت علامہ محمد اقبال

آں یکے شمع شبستانِ حرم | حافظِ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں | پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں

قطعہ

ساغر صدیقی

قافلے منزلِ مہتاب کی جانب ہیں رواں
میری راہوں میں تری زلف کے بل آتے ہیں
میں وہ آوارۂ تقدیر ہوں یزداں کی قسم
لوگ دیوانہ سمجھ کر مجھے سمجھاتے ہیں

خدائے ما ثنا خوانِ محمد

محمد اعظم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

منم ادنیٰ ثنا خوانِ محمد
غلامے از غلامانِ محمد

محمد ہست مہمانِ خداوند
دو عالم ہست مہمانِ محمد

دو عالم روز و شب در گفتگویش
ہمہ قرآن در شانِ محمد

ہمہ عالم گدائے کوچہ او
سکندر از گدایانِ محمد

تمامی انبیاء و اولیاء ہم
نمک خوردند از خوانِ محمد

گنہگارم سیہ کارم و لیکن
بدستم ہست دامانِ محمد

نہ تنہا ہست اعظم نعت خوانش
خدائے ما ثنا خوان محمد

گذشتہ سے پیوستہ

مقامِ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آیت تطہیر: تقویٰ وطہارت بھی ایک بہت بڑی فضیلت اور خوبی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اہل بیت کرام کو بھی اس خصوصیت سے نوازا اور اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد عمل شیطان اور ہر وہ حرکت ہے جس میں کوئی شرعی یا طبعی برائی ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ بعض علماء نے رجس کے معنی شک، گناہ، نجاست اور نقائص کے بھی کئے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کو ان سب چیزوں سے پاک فرمادیا۔

پنجتن پاک: امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ آیت پنجتن پاک بارے نازل ہوئی، میرے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بارے میں نیز علی، حسنین، کریمین اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں''۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''دُرِّ منثور'' میں اس آیہ کریمہ کے ضمن

میں مختلف سندوں سے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں ان میں پہلی روایت یہ ہے:

حضرت ام المومنین ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور اس وقت آپ ﷺ خیبر کی بنی ہوئی ایک چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لائیں جس میں خزیرہ (قیمہ) تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے شوہر اور صاحبزادوں کو بلاؤ۔ چنانچہ خاتون جنت نے انہیں بلایا، وہ ابھی کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یہ آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ان سب کو چادر سے ڈھانپ لیا اور دست مبارک باہر نکال کر آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی ''اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں''۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ فرمایا ''کہ یہ میرے خواص ہیں، ان سے پلیدی دور رکھ اور انہیں پاک وصاف فرما یہ کلمات تین دفعہ کہے''۔ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے چادر اٹھا کر سر داخل کر لیا اور عرض کی یا رسول اللہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا تم بھلائی پر ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ چالیس دن تک صبح کے وقت حضرت فاطمۃ الزہرا کے دروازہ پر تشریف لاتے اور فرماتے **السلام علیکم اھل البیت ورحمته اللہ وبر کاته صلوا رحمکم اللہ** (اے اہل بیت تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو، نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے) اور پھر آیت مبارکہ **انما یرید اللہ** تلاوت فرماتے اور بعض روایات میں آیا ہے چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (برکاتِ آلِ رسول صفحہ ۳۵)

امام یوسف اسماعیل نبھانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''برکاتِ آلِ رسول'' صفحہ ۴۳ پر علامہ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''پس قیامت تک سادات کرام، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد اور جو اہل بیت میں سے ہیں مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں، وہ نبی اکرم ﷺ کی شرافت اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کی بدولت مقدس ومطہر ہیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے''۔

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''اس تطہیر کا نتیجہ ہے کہ اخلاق، اعمال اور فضائل ہر لحاظ سے اہل بیت کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اس لیے اربابِ کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اس خاندان سے ہوتا ہے''۔

آیت مباہلہ : اسی طرح آیت مباہلہ میں اللہ تعالیٰ نے آلِ نبی ﷺ و اولادِ علی المرتضیٰ کی شان کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (اٰل عمران:۶۱)

ترجمہ: پس ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے اور ہم اپنی عورتیں اور تم اپنی عورتیں اور ہم اپنی جانیں اور تم اپنی جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

اس آیۂ کریمہ کا شان نزول یوں ہے کہ ۹ ہجری میں نجران کے عیسائی مدینہ منورہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس پر بحث مباحثہ کیا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا کہتے تھے اور حضور ﷺ انہیں سمجھاتے رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور برگزیدہ عبد ہیں۔ عیسائی یہ بات تسلیم نہیں کرتے تھے چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنے نفس، بیٹے اور عورتیں لاتے ہیں اور تم بھی اپنی جانیں، بیٹے اور عورتیں لے کر آؤ اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو''۔

علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی ''کنز الایمان'' کے حاشیہ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

''اس موقع پر سرکار دو عالم ﷺ کے ایک طرف امام حسن علیہ السلام دوسری طرف امام حسین علیہ السلام اور پیچھے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور حضور پاک ﷺ ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں

توتم سب آمین کہنا۔ چنانچہ جب نصرانیوں کے بڑے پادری نے ان مقدس حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے جماعت نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا دے گا، تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سن کر نصاریٰ مباہلہ سے رک گئے اور آخر کار انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوٴروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے، جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور وہاں کے رہنے والے پرندے بھی نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال تک تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے''۔

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے ضمن میں اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''یہ آیت انہی (اہل بیت) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انفسنا سے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم مراد ہیں، ابناء نا سے جناب حسن و حسین اور نسائنا سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔''

آیت درود و سلام: قرآن کریم میں جب صلوٰۃ و سلام کے حکم پر مبنی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(الاحزاب ۳۳:۵۶)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو اِن پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

توصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سلام کرنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوں کہا کرو

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ

حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ--- اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (متفق علیہ)

حضرت علامہ ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' کے صفحہ ۹۴ پر لکھتے ہیں

''پس نزولِ آیت کے بعد صحابہ کا سوال کرنا اور حضور کا انہیں جواب دینا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ---الخ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ کا حکم آپ کے اہل بیت اور بقیہ آل کے لیے ہے، اگر یہ مفہوم مراد نہ ہوتا تو وہ اہل بیت اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کے بارے میں نزول آیت کے بعد دریافت نہ کرتے اور نہ انہیں ایسا جواب ملتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ جب انہیں جواب دیا گیا تو پتہ چلا کہ جو احکام دیے گئے ہیں ان میں ان پر صلوٰۃ پڑھنے کا بھی حکم ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اس بات میں اپنا قائم مقام بنایا ہے کیونکہ کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا مقصد آپ کی مزید تعظیم کرنا ہے''۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ''تفسیر مظہری'' میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کررہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور قاضی صاحب نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز پڑھی لیکن نہ مجھ پر درود پڑھا نہ میرے اہل بیت پر تو اس کی نماز قبول نہیں۔

حدیث ثقلین: صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اس پر عمل کرنا۔ اس طرح قرآن حکیم کے متعلق ترغیب دی۔ پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت، میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں، یہ بات تین

مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہرائی''۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ حدیث یوں بیان کی گئی ہے

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: کتاب اللہ جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک اور میری عترت اہل بیت۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے۔ تم غور کرو میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو۔''

اہل بیت کی مثال کشتی نوح: اسی طرح اصحابِ سنن کی ایک جماعت متعدد صحابہ کرام سے راوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''تم میں میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح علیہ السلام کی مانند ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ غرق ہو گیا، ایک اور روایت میں ہے کہ جہنم میں داخل ہوا''۔ (برکاتِ آلِ رسول صفحہ ۱۷)

صحابہ کرام اور اہل بیت عظام: یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور اکابرین اہلسنت ہمیشہ اہل بیت عظام کی تعظیم و توقیر اور محبت و عقیدت پر کاربند رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کے پیش نظر اہل بیت کا احترام کرو''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کا وظیفہ بدری صحابہ کرام کے برابر مقرر فرمایا حالانکہ یہ دونوں اس غزوہ میں شامل نہ تھے لیکن آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی نسبت سے یہ خصوصی برتاؤ ان کے ساتھ فرمایا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب امیر معاویہ نے کہا کہ تم حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو برا کیوں نہیں کہتے؟ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی (کرم اللہ وجہہ) کے بارے میں بیان فرمائی تھیں تو میں انہیں برا نہ کہوں گا اور اگر ان میں سے ایک بھی مجھے مل جائے تو میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو فرمایا تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ

علیہ السلام کے ہاں تھا۔ خیبر کے موقع پر حضور نے فرمایا "کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اسے دوست رکھتے ہیں" اور پھر جھنڈا حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو عطا فرمایا اور جب آیت ابنائنا و ابنائکم اتری تو علی فاطمہ حسن اور حسین کو طلب کر کے فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مسلم شریف)

آئمہ اہل سنت اور اہل بیت عظام: اور اب آخر میں اہل بیت عظام کے متعلق اہل سنت کے چاروں آئمہ کرام کی عقیدت و محبت کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کرام کے ساتھ خصوصی محبت رکھتے تھے۔ مصر کے معروف مؤرّخ شیخ ابو محمد زہرہ "حیاتِ امام ابو حنیفہ" کے صفحہ ۲۹۰ پر لکھتے ہیں:

> "آپ کا طبعی رجحان و میلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس اولاد کی جانب تھا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے تھی اور یہی میلان آپ کی ابتلا کا سبب ہوا"۔

نیز صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں:

> "امام ابو حنیفہ کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو لڑائیاں لڑیں ان سب میں حق و صواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی کوئی تاویل ان کی نگاہ میں قابل تسلیم نہ تھی"۔

امام مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت عظام سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۴۵ھ میں محمد نفس ذکیہ کی حمایت کے نتیجہ میں عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے آپ کو ستر کوڑوں کی سزا دی گئی۔ (رئیس احمد جعفری، سیرتِ آئمہ اربعہ، صفحہ ۲۹۳)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں بیان ہونے والی تمام صحیح احادیث کو جمع فرمایا اور اس کتاب کا نام "مناقب علی" رکھا۔ نیز انتہائی تقویٰ اور شریعت میں دقت نظر کے باوجود یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (اسماعیل نبھانی، برکاتِ آلِ رسول)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت عظام کی تعریف میں یہ اشعار نظم کئے:

يَا آلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ
يَكْفِيْكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْفَخْرِ أَنَّكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهُ

ترجمہ: اے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہم السلام کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں فرض قرار دی گئی ہے۔ آپ کی جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوئی۔

یہاں تک کہ اہل بیت عظام کی محبت وعقیدت کی وجہ سے حضرت امام شافعی پر رافضیت کی تہمت بھی لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا:

إِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ رَافِضِيّ

ترجمہ: اگر بالفرض آلِ محمد کی محبت سے انسان رافضی ہو جاتا ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اہل بیت عظام علیہم السلام کے بلند وذیشان مقام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آئمہ اہل سنت کے عقائد کی روشنی میں ہمیں اپنے عقائد صحیح اور درست کرنے کی ہمت وطاقت نصیب فرمائے اور اہل بیت عظام کی ایسی محبت ومودّت ہمارے قلوب میں پیدا فرمائے جس کا تقاضا قرآن حکیم اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں کیا گیا ہے اور ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کی اہل بیت عظام کے دشمنوں کو دشمن اور دوستوں کو دوست سمجھیں۔

وما توفیقی الا باللہ

گذشتہ سے پیوستہ

شرح در معنی حریت اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا

ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک

مرتّب: عمران جاوید

اب یہ جو عشق کی جو سلطنت ہے اس کے شہنشاہِ اعظم امام عالی مقام علیہ السلام ہیں، ان کی منقبت شروع ہوتی ہے

آں امام عاشقاں پورِ بتول
سروِ آزادی زِ بستان رسول

وہ عاشقوں کے امام اور سیّدہ فاطمہ کے بیٹے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کے آزاد سرو تھے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

اللہ اللہ والد کا مقام، بسم اللہ کی 'ب' جیسا ہے اور بیٹا 'ذبح عظیم' کا اصل مفہوم بن گیا۔

آں امام عاشقاں پور بتول۔ امامِ عاشقاں، یعنی جتنے بھی عاشق ہیں اُن سب کے امام۔ اس سے پچھلے اشعار میں عشق کے بارے میں حضرت نے اختصار واجمال سے سب کچھ بیان کر ڈالا۔ اب اس عشق کے جو حاملین ہیں، اُن حاملین عشق کے امام پورِ بتول۔ عاشقاں کے جو امام ہیں سب سے پہلے تو اُن کی عالیٰ نسبی، اُن کا شرفِ نسب حضرتِ اقبال نے بیان کیا ہے۔ پورِ بتول۔ وہ البتول کے فرزند جلیل ہیں۔

حکیم الامت نے البتول کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں ہے، یہ تصوّف کی اصطلاح بھی ہے۔ قرآن میں ہے وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا اے میرے حبیب سب سے الگ ہو کر میری طرف آجاؤ۔ تبتّل الی اللہ، یہ تصوّف کی اصطلاح ہے۔ تبتّل الی اللہ کا مطلب ہے سب سے بے نیاز

ہو کر اللہ کا نیاز مند ہونا کہ جہاں مخلوق کے ساتھ کوئی خواہش وابستہ نہ ہو۔ نہ تو مخلوق کے ساتھ صاحبِ عشق کا کوئی بغض وابستہ ہو، نہ عناد وابستہ ہو، نہ حرص وابستہ ہو، نہ ہوس وابستہ ہو، نہ خواہش وابستہ ہو، نہ طمع وابستہ ہو۔ یہ تبتّل کی کیفیت ہے کہ بندہ صرف اپنے رب سے جُڑ جائے۔ میرے آقا ﷺ کے خصوصیتِ عالیہ میں، شمائلِ عالیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک شملہ یہ بھی بیان فرمایا ہے۔

اب میرے آقا و مولا نے سیّدۃ النساء العالمین حضرتِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو ایک لقب البتول دیا۔ البتول یعنی تبتّل الی اللہ میں اپنی مثال آپ۔ کوئی چیز آپ کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتی تھی ۔آپ کے لیے جو مشقّت تھی گھر کے کاموں میں مصروفیّت ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتی تھی، رات آپ کو اشتغال باللہ سے نہیں روک سکتا تھی۔ کوئی بھی چیز حضرت سیدۃ النساء العالمین کو اپنے رب کے نیاز سے، اپنے رب کے حضور تبتّل سے اور نیاز مندی سے الگ نہیں کر سکتی تھی۔ مکمّل طور پر اپنے رب کے ساتھ وابستہ۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کو تبتّل کہتے ہیں اور تبتّل کی اس خصوصی منفرد اور عظیم کیفیت میں حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اپنی مثال آپ تھیں۔

تبتّل تطہیر کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے کہ اگر کسی درجے میں بندہ خوفزدہ ہو جائے، ماحول دوسری طرح کا ہے اور اُس ماحول میں قوت ہے، اُس ماحول کے پاس وسائل ہیں، اُس ماحول کے پاس حکومت ہے، اُس ماحول کے پاس ہوس ہے، حرص ہے، ظلم ہے، طمع ہے تو اگر آدمی پر ایسا ماحول اثر انداز ہو جائے اور وہ اُس کے سحر میں مبتلا ہو جائے یا اُس کے جبر میں مبتلا ہو جائے یا اُس کا جبر اُس پر اثر انداز ہو جائے تو پھر وہ تبتّل اختیار نہیں کر سکتا۔ تبتّل ایک اعلیٰ مقام ہے، تبتّل ایک ایسا مقام ہے جہاں کوئی چیز صاحبِ تبتّل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تو یہ مقام اپنی تمام تر ضوفشانیوں کے ساتھ، اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ، اختصاصات وشمائل کے ساتھ صفاتِ عالیہ کے ساتھ مناقبِ عالیہ کے ساتھ سیدہ فاطمۃ الزہرا کا ہے کہ وہ البتول ہیں۔

اب چونکہ وہ البتول ہیں نہ اُن پر خوف مسلط ہو سکتا ہے، نہ اُن پر ہوس مسلط ہو سکتی ہے، نہ حرص دامنگیر ہو سکتا ہے، نہ کسی اور کے ساتھ وابستگی دامنگیر ہو سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالی کی بزم میں، بزمِ

دیدار میں، بزمِ معرفت عالیہ میں صدر نشین ہیں۔ اس لیے اُن کا نام البتول ہے۔ یہ نام میرے آقا ﷺ نے دیا اور میرے آقا علیہ السلام صادق و مصدوق ہیں، صادق و امین ہیں، امام الصّادقین وا لمتصدّقین ہیں علیہ الصلوۃ السّلام۔تو ظاہر ہے کہ یہ تمام تر صفات التبتّل کی بدرجہ اولیٰ سیّدہ کی ذاتِ با برکات میں موجود تھیں۔

اب اُن کا جو فرزند ہے وہ کون ہے جس طرح حضرت اقبال نے فرمایا کہ

ہر کہ پیمان با ہو الموجود بست

وہ الموجود سے وابستہ ہے۔ الموجود سے اُس کی وابستگی کا پس منظر یہ ہے کہ وہ آغوشِ سیدہ فاطمۃ الزہرا البتول کا پروردہ ہے۔ یہ مصرع بڑا جاندار ہے حسین علیہ السلام کے پسِ منظر پر۔ یہ نسبت کا پہلا عظیم گوشہ حضرتِ اقبال نے بیان کیا۔

سروِ آزادی ز بستان رسول۔ پھر بستانِ رسول ﷺ میں تو اور بھی سرو ہیں، امام حسن علیہ السلام ہیں ،سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کریم ہیں،سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں، اہل بیت اطہار علیہم السلام۔ یہ جو تمام سرو ہیں، تمام عظیم الشان شجرۃ طیّبہ ہیں۔ بستانِ رسول میں اشجارِ عالیہ، اشخاصِ عالیہ، نفوسِ قدوسیّہ، اہلِ بیت اطہار، جن کے قریب رجس جا نہیں سکتا، تطہیر جن کا خاصہ ہے، وہ نفوسِ رسول جس میں نفس رسول ﷺ کی تجلّیات متجلی ہیں، جن کی مودّت امّت پر لازم ہے۔ یہ سارے جو اشجارِ عالیہ ہیں، یہ سارے جو سروِ مبارکہ ہیں بستانِ رسول میں چمن رسول میں گلستانِ رسول میں، اُن میں آپ سروِ آزاد ہیں۔

بڑی خوبصورت اپروچ حضرتِ اقبال کی، بہت خوشبودار اپروچ، بلا شبہ شخصیت میں نام میں، ہر حوالے سے، سیرت کے حوالے سے، کام کے حوالے سے، عزم کے حوالے سے، صبر کے حوالے سے، شجاعت کے حوالے سے، آپ اپنی مثال آپ ہیں۔ ہلکا پھلکا نقشہ اگر ہم دیکھ لیں، صرف ایک بات عرض کروں گا۔

جب آپ میدانِ رزم میں آئے تو آپ کے قلب کی کیفیت کیا ہوگی۔ آپ کے بھائی شہید ہو چکے تھے، آپ کے فرزند شہید ہو چکے تھے، آپ کے بھتیجے شہید ہو چکے تھے، آپ کے بھانجے شہید ہو چکے

تھے، آپ کے انصار شہید ہو چکے تھے، آپ کے اعوان شہید ہو چکے تھے، آپ کے سپاہ عظام شہید ہو چکے تھے۔ سب کو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اُٹھایا اور ایک طرف رکھا۔ پیچھے خیموں میں بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی ازواج علیہم السلام، آپ کے بیمار فرزند حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔ یہ کیفیت تھی، یہ کیفیت گزر چکی تھی اور وہ کیفیت تھی۔ اب ہم انسانی درجے میں اگر سوچیں کہ آپ کے قلب کا عالم کیا ہو گا۔

آپ کے حزن اور غم کا عالم کیا ہو گا۔ پھر آپ کے علم اور حلم کا عالم کیا ہے، آپ کی شجاعت کا عالم کیا ہے۔ یزیدی فوجوں کا ایک آدمی جو بعد میں ابوعبید مختار ثقفی کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور کیفر کردار تک پہنچا۔ حضرتِ ابوعبید مختار ثقفی سے روایت ہے کہ اُس آدمی نے کہا کہ میں نے اتنے بڑے مظلوم، اتنے بڑے حسین، ایسے پیاسے شخص کو، ایسے مصیبت زدہ شخص کو کہ کوئی ایسی مصیبت، کوئی ایسی ابتلاء نہیں جو آپ پر گزری، اتنا دلیر نہیں دیکھا۔

آپ جس طرف حملہ کرتے تھے صفیں چیر دیتے تھے۔ بعض نے کہا ہے آپ کی تلوار کا لقمہ اٹھارہ یزیدی بنے۔ بعض نے یہ تعداد چھپن ہے۔ تلوار کے قبضہ پر آپ کا ہاتھ جما ہوا تھا۔ کوئی آپ کے قریب آ نہیں سکتا۔ جو بھی قریب آتا تھا اُس کا سر تن پر نہیں رہتا تھا۔

بالآخر اُنہوں نے حصار قائم کیا، گھیرا ڈالا اور آپ پر نیزے اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ بعد میں جب آپ کے مبارک جسم کو دیکھا گیا تو اُس میں بتّیس کے قریب نیزوں کی پنیاں چبھی ہوئی تھیں اور یہ تاریخی روایات ہیں یہ صرف مرثیہ خانوں کی باتیں نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے کیسی جنگ لڑی، اور آپ کا رجز یہ تھا۔ سب سے پہلے آپ نے یہاں سے شروع کیا۔

''لوگو! تم نے حق کی دعوت قبول نہیں کی اب اُس کی جنگ دیکھو جس کا نانا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اب اُس کی جنگ دیکھو جس کی ماں فاطمہ ہیں، اب اُس کی جنگ دیکھو جس کا پدر علی ہے، اب اُس کی جنگ دیکھو جس کی بہن زینب ہے، اب اُس کی جنگ دیکھو جس کا بھائی عباس ہے، اب اُس کی جنگ دیکھو جس کا چچا جعفر طیّار ہے، اب اُس کی جنگ دیکھو کہ جس کے سارے شہید ہو گئے ہیں، اب اُس کی جنگ

دیکھو جو پیاسا ہے۔

یہ آپ کا رجز تھا، آپ اشعار میں یہ رجز بیان فرما رہے تھے اور تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ جو بھی آپ کے سامنے آتا تھا زندگی کی بازی ہار جاتا۔ بالآخر انہوں نے اپنے عددی برتری کا فائدہ اُٹھایا۔ جس طرح اس میں حضرتِ اقبال نے فرمایا

دُشمناں چوں ریگِ صحرا لا تُعد

آپ کے دُشمنوں کی تعداد صحرا کی ریت کے ذرّات سے زیادہ تھی

دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

اور آپ کے دوست یزداں کے عدد کے برابر تھے۔ یزداں کے عدد کو اگر ہم جمع کریں تو بہتّر بنتے ہیں۔ یہ شعر حضرتِ اقبال نے علم الاعداد سے نکالا ہے۔ یہاں سے آپ کی شعری مہارت کا پتہ چل سکتا ہے تو الغرض امام حسین علیہ السلام بالکل منفرد ہیں بستانِ رسول میں۔

بہرِ آں شہزادہ خیر الملل

دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

خیر الملل کے اس شہزادے کے لیے آخری نبی کا کاندھا گویا ایک خوبصورت سواری تھی۔ اب آپ کی رفعت اور امّت کے لیے لمحہ فکر یہ وہ شہزادہ خیر الملل تمام انسانوں کے سردار، تمام خلائق سے بہتر، تمام ملل کے سردار۔ ہم قرآن کی طرف وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا یعنی تمام امتوں پر اور تمام انبیاء پر میرے آقا کو گواہ لایا جائے گا۔ اس پورے شمائل اور خصائصِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرتِ علامہ اقبال نے خیر الملل کی ترکیب وضع فرمائی ہے۔ اُن کا شہزادہ گلگون امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور نشست اُن کی کہاں ہے؟ دوش ختم المرسلین نعم الجمل۔ سرکارِ دو عالم کا دوش آپ کا نعم الجمل ہے، آپ کی خوبصورت سواری ہے۔

یہاں جمل کا مطلب اونٹ نہیں ہوگا۔ نعم الجمل کا مطلب سواری، نہایت بہتر سواری، نہایت اچھی سواری۔ اور یہ امام عالی مقام ایسا ناز پرور کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کے سجدہ میں ہیں تو کمر مبارک

پر امام حسین سوار ہیں۔ حضور مدینہ شریف کی گلیوں میں جا رہے ہیں تو شانے پر امام حسین براجمان ہیں۔ حضور سرورِ دو عالم سے جب ملائکہ ملاقات کرنے آتے ہیں تو سرکار دو عالم کے گردن مبارک سے سینے کی طرف پاؤں لٹکائے حضرتِ امامِ عالی مقام اپنے دستہائے مبارکہ حمائل کئے ہوئے ہیں۔ آپ مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں، خطبہ چھوڑ کر نیچے آتے ہیں۔ آپ کو گود میں لیتے ہیں، چومتے ہیں اور جا کر آپ کو سیّدۃ النساء العالمین کے حجرہ میں چھوڑ آتے ہیں۔

یہ ہے دوشِ ختم المرسلین کا سوار۔ یہ تین چار اشعار میں حضرت نے مناقب بیان کئے اور جتنے مناقب بیان کئے ہیں سارے کے سارے قرآن وسنّت سے ماخوذ ہیں۔ کہیں بھی مبالغہ نہیں ہے، کہیں بھی افراط وتفریط نہیں ہے، کہیں غلو نہیں ہے۔ تمام کے تمام آپ کے مناقب نہایت ندرت کے ساتھ قرآن وسنّت سے نچوڑے ہیں۔ یہ اقبال کا وہ کمال ہے جس میں وہ بالکل لازوال ہیں۔

سُرخ رو عشق غیور از خون او
شوخیِ این مصرع از مضمون او

اُن کے کون سے عشق غیور سُرخ رو ہوا، یہ مصرع انہیں کے مضمون سے شوخی سے ہمکنار ہوا۔

سُرخ رو عشق غیور از خون او۔ ایک تو عشق ہے جس کو ابھی پیچھے حضرت نے بیان کیا۔ اب وہ جو عشق ہے اُس عشق کا سردار، عشق غیور ہے، وہ جو عشق غیور ہے یعنی ایک تو عشق، پھر عشق کے اوپر عشق یعنی عشق بالائے عشق جس کو حضرتِ اقبال نے عشق غیور کہا ہے وہ عشق غیور آپ کے خونِ اقدس سے سرخرو ہے۔ اُس کو جو توانائی ملی ہے، عشق غیور کو جو حیاتِ سرمدی ملی ہے، عشق کے اندر جو ولولہ پیدا ہوا ہے، وہ آپ کے خون کی آمیزش سے ہوا ہے۔ آپ کی قربانی سے، آپ کے ایثار سے، آپ کی شہادت سے، آپ کی منزلت سے ہوا ہے۔ شوخیِ این مصرع از مضمون او۔ حضرتِ اقبال فرماتے ہیں میرے مصروں میں جو شوخی ہے، طنطنہ ہے، یہ حسین کے ذکر سے ہے۔

(جاری ہے)

شاہ حبشہ حضرت اصحمہ النجاشی

افتخار احمد حافظ قادری

نجاشی: عربی زبان میں نجاشی شاہِ حبشہ کا لقب ہے۔اسکی اصل حبشی زبان کا ایک لفظ ہے جسکے معنی بادشاہ، شہزادہ وغیرہ کے ہیں۔عربی میں یہ کبھی اسم علم کے طور پر آتا ہے اور کبھی لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

تاریخ کے مطابق ۵۷۵ء تا ۶۳۰ء حبشہ میں دو ہی قابلِ قدر بادشاہ ہوگزرے ہیں۔ایک ابجر جس نے حبشہ کے لوگوں پر اس وقت حکمرانی کی جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب قرآنِ پاک سرچشمہ ہدایت موجود نہ تھی۔جبکہ دوسرا بادشاہ اصحمہ بن ابجر جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارکہ میں حبشہ پر حکمرانی کی اور نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اسلام کو سرزمین حبشہ میں متعارف بھی آپ نے ہی کروایا۔

اصحمہ بن ابجر النجاشی: نام اصحمہ بن ابجر شہنشاہِ حبشہ تھے اور دنیا اُن کو نجاشی کے لقب سے جانتی ہے۔آپ تاریخ اسلام میں ایک ممتاز حیثیت کی حامل شخصیت ہیں۔آپ کا شمار صحابہ کرام کی صف میں ہوتا ہے۔حافظ ابن حجر العسقلانی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے شاہِ حبشہ کا ذکر اپنی کتب میں صحابہ کرام کے تذکرے کے ساتھ کیا ہے اور بعض نے انہیں تابعی قرار دیا ہے۔

اصحمہ بن ابجر ایک نیک سیرت، خوش اخلاق اور خدا ترس انسان تھے۔وہ ایک ایسے انصاف پسند حکمران تھے جن کے عدل وانصاف کی خود رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی اور ان کی سرزمین بارے فرمایا کہ نجاشی کی سرزمین حبشہ ''دوستی اور سچائی کی سرزمین'' ہے جہاں کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوسکتا۔

شاہِ حبشہ اصحمہ بن ابجر تاریخ اسلامی کی وہ واحد خوش نصیب اور عظیم شخصیت ہیں کہ ہزاروں میل دور جن کی نمازِ جنازہ سرکار مدینہ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کے ہمراہ ادا فرمائی اور اُنہیں انسانِ صالح قرار دیتے ہوئے اُن کے لیے دُعائے مغفرت فرماتے ہوئے بہ آواز بلند فرمایا **اللھم اغفر النجاشی** اے اللہ! تو نجاشی کی مغفرت فرمادینا۔

نجاشی کے ابتدائی حالات: نجاشی کے ابتدائی عہد کے متعلق بہت کم معلومات میسر ہیں۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل روایت میں یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اُن کے والد کو قتل کر کے اُنکے چچا کو تخت و تاج سونپا گیا اور پھر کس طرح قدرت نے دوبارہ اُن کو اپنے ملک پر حکومت عطا فرمائی۔

اصحمہ بچپن سے نیک اور شفیق انسان تھے اور غریبوں سے خصوصی لگاؤ تھا جس کی وجہ سے شاہی محل کے اُمراء اُن کے خلاف ہو گئے جن کو غرباء بالکل پسند نہ تھے۔ اُن اُمراء کو یہ خوف لاحق تھا کہ اصحمہ اگر بادشاہ بن گئے تو ملک و قوم کی دیرینہ روایات ختم ہو جائیں گی۔ ان کے نزدیک ملک و قوم کی خیر خواہی کا تقاضہ یہی تھا کہ ان کے والد کو قتل کر کے ان کی جگہ ان کے چچا کو بادشاہ بنا دیا جائے تا کہ اصحمہ اپنے باپ کی جگہ بادشاہ نہ بن سکے اور بالآخر اصحمہ کے والد کو قتل کروا دیا گیا اور تخت شاہی پر اصحمہ کے چچا متمکن ہو گئے۔

اصحمہ کے چچا کے بارہ بیٹے تھے۔ درباری اُمراء کو اُمید تھی کہ ان کے بیٹے امورِ مملکت میں بادشاہ کی مدد کریں گے۔ اصحمہ اپنے چچا کے سایہ عاطفت میں آ گئے اور آہستہ آہستہ اُن کی ذہانت اور معاملہ فہمی کے پوشیدہ جوہر کھلتے اور نکھرتے رہے حتیٰ کہ اُن کے چچا بھی اُن کی خداداد صلاحیت کے معترف ہو گئے اور وہ بیٹوں سے زیادہ اصحمہ کو چاہنے لگے۔ شاہی محل کے اُمراء و وزراء کو یہ بات ہضم نہ ہو سکی، باہمی صلاح مشورے کے بعد یک رائے ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض گزار ہوئے:

''ملک و قوم کے اہم ترین معاملات میں آپ اصحمہ کی رائے پر ہی انحصار کرتے ہیں اور یہ بات ہمارے لیے حد درجہ تشویشناک ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاہی امور و معاملات پر اُن کی گرفت اگر اسی طرح مضبوط ہوتی چلی گئی تو اصحمہ ایک دن بادشاہ بن جائیں گے اور یہ بات ان کو اور آپ کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے باپ کو ہم نے قتل کروایا ہے اور اگر وہ بادشاہ بن گئے تو اپنے باپ کے قتل کے انتقام میں وہ ہم سب کو تہہ تیغ کر دیں گے۔ اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔''

بادشاہ غصے میں آ کر بولا ابھی کل کی بات ہے کہ تم نے ان کے باپ کے خون سے ہاتھ رنگے، آج پھر وہی کام کرنا چاہتے ہو۔ بخدا یہ سنگین ظلم ہے اور قطعاً گوارا نہیں کیا جائے گا۔ اس جواب پر ان لوگوں

کے تیور بگڑنے لگے، ایک شورش برپا ہوگئی۔ بادشاہ نے اُسے دبانے کی کوشش کی لیکن ہنگامہ تیز سے تیز ہوتا رہا آخر لوگ اس بات پر رضامند ہوئے کہ اصحمہ کو قتل کرنے کی بجائے ملک بدر کر دیا جائے تا کہ ان کے بادشاہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے۔

نجاشی خانوادے کا یہ ذہین وفطین چشم و چراغ اپنے حقیقی چچا کی زیادتی اور اُس کے خوشامدی حبشی درباریوں کی ملی بھگت سے غلاموں کی منڈی میں ایک عرب تاجر کے ہاتھوں فروخت ہو کر سرزمین حجاز پہنچا اور وادی بدر کے قریب بلادِ بنوضمرہ میں اپنے ضمری آقا کا ریوڑ چرانا شروع کر دیا اور اس علاقہ میں وہ ایک عاقل اور دانا و بینا چرواہا مشہور و معروف ہوگیا۔

یہ وہ دور ہے کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ نے اعلانِ نبوت سے پہلے صداقت اور امانت میں شہرت حاصل کر لی تھی اور قریش مکہ آپ کی اِن صفات مشہورہ کے معترف ہونے کے ساتھ آپ کی صفت وثناء بھی بیان کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے قبائل کو آپس میں اس طرح شیر وشکر کر دیا تھا اور ایسے منصفانہ اور حکیمانہ فیصلے فرماتے تھے کہ اہلِ مکہ حیران رہ جاتے تھے۔ ان میں حجرِ اسود کے نصب فرمانے کا واقعہ بھی زبانِ زدِ عام و خاص تھا۔

مکہ مکرمہ حبشی فقراء اور غلاموں کا مرکز تھا۔ خاص تہواروں کے علاوہ حبشی غلام اپنے آقاؤں سے اجازت لے کر آپس میں ملنے کے لیے مکہ مکرمہ میں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ تو کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ حبشی غلام شہزادہ اصحمہ بھی اپنے آقا کی اجازت سے حبشیوں سے ملنے کے لیے آتے ہوں گے اور اگر ایسا ممکن ہے تو کیا پھر یہ ممکن نہیں کہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے جو پورے عرب میں صادق و امین کے لقب سے مشہور تھے اُن سے نہ ملتے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ آپ ﷺ سے ملتے ہوں اور آپ کے چہرہ اقدس کی زیارت کے ساتھ ساتھ آپ کی صحبت مبارکہ سے بھی فیض یاب ہوتے ہوں گے۔

یہ بات درست ہے کہ اس وقت تک سرکارِ دوعالم ﷺ کو نبوت کے اعلان کا حکم ربانی نہیں ملا تھا لیکن نبی تو آپ اس وقت بھی تھے۔ آپ تو اولین وآخرین کے نبی اور رسول ہیں اور سید الانبیاء والمرسلین کا تاج بھی تو آپ کے سرِ اقدس پر ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ تو اس وقت بھی نبی تھے کہ جب کچھ بھی نہ تھا

بلکہ آپ ہی تو وجہِ تخلیق کائنات ہیں۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر شاہِ حبشہ کے بارے میں اپنی منفرد تصنیف ''شاہِ حبشہ خدمتِ نبوی میں'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں جب حبشی غلام شہزادہ اصحمہ بن ابجر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے ہوں گے تو کیا دورانِ ملاقات حبشہ کے احوال اور غلام شہزادے کے ماضی اور مستقبل کی بات نہ ہوتی ہوگی اور کیا خبر غیب دان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہزادے کو غلامی سے نجات پا کر تخت و تاج کا مالک ہونے کی خوشخبری بھی دے دی ہو۔

یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حبشی غلام کے درمیان نبوت سے قبل قائم ہونے والے ابدی رشتے کے بعد یثرب (مدینہ منورہ) آتے جاتے حضرت نجاشی اور اُن کے دوست عمرو بن امیہ ضمری سے بلادِ بنوضمرہ میں بھی رسول اللہ کی ملاقات اور بات چیت کا سلسلہ رہا ہو اور اس بات کو ایک اور وجہ سے بھی تقویت ملتی ہے کہ رسول اللہ کا عمرو بن امیہ ضمری (اسلام قبول کرنے سے قبل) پر اس قدر اعتماد فرمانا کہ اُنہیں متعدد بار اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر نجاشی کے پاس بھیجنا انہی ابتدائی ملاقاتوں کی غمازی کرتا ہے۔

دورانِ غلامی حبشی شہزادہ چونکہ بنوضمرہ کے ایک تاجر کی ملکیت میں تھا اس لیے عمرو بن امیہ سے اُس کی دوستی خارج از امکان نہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرو بن امیہ اور حبشی شہزادہ پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔

شہزادہ اصحمہ بلاد بنوضمرہ میں اپنے غلامی کے دن گزار رہے تھے اور حبشہ میں ان کے چچا فوت ہو چکے تھے۔ ان کی آخری رسومات کے بعد جانشینی کا مسئلہ اُٹھا۔ ان کے بیٹے اس قابل نہ تھے جو امورِ سلطنت سنبھال سکتے۔ سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ اصحمہ بن ابجر کو تلاش کر کے لایا جائے اور پھر شاہی اعزاز کے ساتھ غلام شہزادے کو واپس سرزمین حبشہ لایا گیا، تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی جس کے بعد حبشی غلام شہزادہ ''نجاشی'' کہلانے لگا جو حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔ اصحمہ نے بادشاہ بن کر اپنی خداداد صلاحیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ سارا ملک اُن کا گرویدہ ہو گیا۔ اب ملک کی سرحدیں بھی محفوظ

ہو گئیں، ظلم وستم کا خاتمہ ہوا اور امن وامان کی زندگی اہلِ حبشہ کا مقدر بن گئی۔

اِدھر حبشہ میں اصحمہ بن ابجر ''نجاشی'' کے لقب سے سریر آرائے تختِ سلطنت ہوئے تو اُدھر مکہ مکرمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کاملہ کا ظہور ہوا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو نبوت کے اعلان کا حکم ملا اور توحید و رسالت کا اجالا پھیلنا شروع ہوا تو ہدایت پرست پروانوں کی طرح سرکار ﷺ پر آپ کے اردگرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ جب قریش مکہ کو اپنی قیادت وسیادت کا خطرہ محسوس ہونے لگا تو وہ سرکار دو عالم ﷺ کے مخالف ہو گئے اور تبلیغ دین متین کی راہ میں کوہِ گراں بن کر راستے میں نہ صرف کھڑے ہو گئے بلکہ مسلمانوں پر سختیوں اور زیادتیوں کی ایسی داستانیں رقم کرنا شروع کر دیں کہ پہاڑوں کا کلیجہ بھی شق ہو جائے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب رحمت عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو کفار کے ہاتھوں مبتلائے عذاب دیکھا اور اس وقت تک آیتِ قتال بھی نازل نہیں ہوئی تھی اور کفار کے ساتھ جنگ کی اجازت بھی نہ تھی تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا فرقوا فی الارض کہ ''زمین میں پھیل جاؤ''۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کس طرف؟ جس پر آپ نے فرمایا ''هٰهُنَا'' کہ اس طرف اور پھر حبشہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ہجرت کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا

لو خرجتم الی أرض الحبشة فان بها ملكا لا يظلم عنده احد وهي ارض صدق حتى يجعل الله لكم فرجا مما انتم فيه (السيرة النبويه لابن هشام)

ترجمہ: اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف چلے جاؤ تو اُس میں ایک ایسا بادشاہ ہے کہ جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ صدق وسچائی کی سرزمین ہے تا آنکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان تنگیوں میں تمہارے لیے کوئی کشادگی پیدا فرمادے۔

وَهِيَ اَرْضُ صِدْقٍ سرزمینِ حبشہ سچائی، بھلائی اور دوستی کی سرزمین ہے۔ یہاں ارض سے مراد تو سرزمین حبشہ مراد ہے مگر اس سرزمین کو سچائی، بھلائی یا دوستی اور خیر خواہی کی زمین جو کہا جارہا ہے تو اس کی ایک اہمیت ہے کیونکہ آپ ﷺ کا قول مبارک کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

میری نگاہ کا سرمہ ہے خاکپائے حسن

شاعرِ بے بدل حضرت علامہ سید نصیر الدین نصیر گیلانی
نبیرہ اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

زمیں سے تا بہ فلک ہر طرف صدائے حسن
بلند و برتر و بالا ہوا لوائے حسن

ازل سے میرے مقدر میں ہے ولائے حسن
رہے گی سایہ فگن تا ابد ردائے حسن

وہ ذات پاک ہے ابن علی و سبط نبی
مری نگاہ کا سرمہ ہے خاک پائے حسن

خدا کا شکر، مرے دل کی زیب وزینت ہے
جمالِ مصطفوی، روئے دل کشائے حسن

لبوں پہ زہر ہلاہل کا کوئی ذکر نہ تھا
اٹھا جو درد جگر سے تو مسکرائے حسن

یہ حال ہے مرے دل کا بہ فیض شاہ ہدیٰ
کبھی حسین پہ قربان، کبھی فدائے حسن

ہو کیوں نہ منزلِ جذب وسلوک زیر قدم
کہ غوث پاک ہیں، اولادِ باصفائے حسن

نقیب امن و اماں کا لقب ہوا سید
فساد و فتنہ مٹانا تھا مدعائے حسن

رہے خلیفہ پنجم وہ چھ مہینے تک
علی کے بعد حسن کو ملی یہ جائے حسن

بنو اُمیّہ زَر و جاہ کے حریص اُدھر
اِدھر یہ حال کہ دُنیا تھی زیرِ پائے حَسن

قبائے سبز، شہادت کی اک علامت تھی
شجر شجر کی زباں پر ہے ماجرائے حسن

غنا و فقر قدم بوس ہو گئے اس کے
میسر آئی جسے دولت ولائے حسن

عجب نہیں کہ مجھے خلد میں جگہ مل جائے
بہ فیض سرور کون و مکاں، برائے حسن

کسی بھی شے کی کمی ہے، نہ آرزو، نہ طلب
نصیر فضل خدا سے ہوں میں گدائے حسن

سید عبدالستار شاہ باچا جان رحمۃ اللہ علیہ

علی اویس خیالؔ

سرزمین پشاور اس حوالے سے نہایت خوش قسمت ہے کہ اس کے سینے میں کئی ایسی نابغہ روزگار شخصیات دفن ہیں جنہوں نے اس کی مٹی کو نہ صرف مزید معتبر کیا بلکہ جلا بخشی۔ ان ہی شخصیات میں سے ایک نام حضرت سید عبدالستار شاہ رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ باچا جان کا ہے۔ آپ بیک وقت ایک نواب، ٹھیکیدار، مجاہد، شاعر، صوفی، عالم دین، فقیر و روحانی پیشوا تھے۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۶۲ء کو ضلع مانسہرہ کی تحصیل بٹگرام میں سید برہان علی شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے ماموں سید نظیف شاہ عرف ملاں بابا سے اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ اوائل عمری سے آپ کی طبیعت میں علم و ادب کی چاہ اور دیگر کئی اوصاف حمیدہ شامل تھے۔ پروفیسر خاطر غزنوی ''قدیم پشاور'' میں لکھتے ہیں کہ آپ نے جب ہوش سنبھالا تو تحصیل علم کی غرض سے اپنے وطن کو خیر آباد کہا اور اپنی تمام مال و جائیداد غرباء و مساکین میں تقسیم کر کے دہلی چلے گئے۔

ٹھیکیداری: دہلی میں آپ کے قیام کے متعلق قاری جاوید اقبال ''ثقافت سرحد'' میں یوں رقمطراز ہیں کہ وہاں (دہلی) آپ کی ملاقات اپنے ایک عزیز سید گل علی شاہ عرف مسکین بابا اور سید محمد شاہ سے ہوئی جو پیشہ کے لحاظ سے ٹھیکیدار تھے۔ اُنہوں نے آپ کو اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کر لیا۔

جبکہ اِسی حوالے سے ظفر خان چشتی ''نیرّ تاباں'' میں لکھتے ہیں کہ آپ نے دہلی میں حصولِ علم کے ساتھ ساتھ ٹھیکیداری کا بھی آغاز کیا اور کئی بڑے سرکاری اور غیر سرکاری ٹھیکوں پر کام کیا جس میں پٹنہ ریلوے لائن، دہلی رائے سینا کی عمارت، بمبئی سے پونا تک کی ریلوے لائن پر سرنگ اور نکاسی آب کے انتظام کی ترتیب کے علاوہ مردان اور لنڈی کوتل کی سڑکیں، مالاکنڈ نہر کی کھدائی اور سرنگ وغیرہ جیسے بڑے منصوبوں کے ٹھیکے آپ نے مکمل کئے۔ جبکہ متحدہ ہندوستان کے کئی شہروں میسور اور بہار میں بھی

بہت بڑے بڑے ٹھیکے مکمل کیئے۔

محققین لکھتے ہیں کہ آپ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ جس مکان میں آپ کی رہائش تھی اُس کے کمرے پیسوں سے بھرے ہوتے تھے۔لیکن سخاوت کا عالم یہ تھا کہ جس شہر سے بھی آپ کوچ کرتے اُس شہر میں کمائی ہوئی دولت اُسی شہر کے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ جبکہ اجمیر شریف میں جنتی اور جنوبی دروازہ کی از سرِ نو تعمیر و آرائش کے علاوہ آپ نے حضرت سائیں محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ اور پیرا ابئی (زوجہ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ) کے مزارت پر بھی گنبد تعمیر کیے۔

آپ کا مطمع نظر مال و دولت نہیں بلکہ تلاش حق و معرفت تھی جو آپ کو ۱۹۰۴ء میں پشاور لے آئی اور آپ یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ اگر چہ اِس دوران آپ نے مختلف ملکوں اور شہروں کا سفر کیا لیکن عبدالحلیم اثر افغانی لکھتے ہیں کہ ۱۹۵۲ء میں ایک روحانی حکم پر آپ نے پشاور کے ڈبگری بازار میں مستقل سکونت اختیار کی۔

تحریک پاکستان: آپ کو اپنے وطن اور مٹی سے بے حد محبت تھی اور آپ ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ریاست کے خواہاں تھے۔لہٰذا انگریزوں کی غلامی سے اپنے وطن کو آزاد کروانے کے لیے ہر میدان میں اُترے اور دن رات اِسی کوشش میں لگے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب قائداعظم محمد علی جناح کی دعوت پر آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ آپ کی سوانح عمری ''تذکرہ ستاریہ'' کو پڑھ کر لگتا ہے کہ آپ نے نہایت خلوص اور جذبے سے ہر میدان میں مسلم لیگ کی مالی اور جانی مدد کی۔

پروفیسر محمد شفیع صابر ''تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ'' میں اور دیگر تاریخ دانوں نے جگہ جگہ لکھا ہے کہ آپ نے مسلم لیگی رضا کاروں کو وردیاں بنوا کر دینے کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے نہ صرف اُن کی سرپرستی کی بلکہ جب مہاجرین کی آمد کا سلسلہ پاکستان میں شروع ہوا تو آپ نے اُن کے لیے پوشاک اور خوراک کا انتظام کیا بلکہ اُس دور میں لاکھوں روپے کی مالی امداد بدست گورنر صوبہ سرحد فدا محمد خان کی۔ آپ کے حکم پر درجنوں درزی تین ماہ تک مسلسل شبانہ روز بیٹھے کپڑے سیتے رہے اور پہلی کھیپ میں آپ

کی طرف سے تقریباً چھ ہزار سلے سلائے کپڑے لاہور مہاجر کیمپ بھیجے گئے۔اِس کے علاوہ ریفرنڈم کی کامیابی کے لیے بھی آپ نے دن رات جدو جہد کی اور اِس بات کے عینی شاہدین آج بھی موجود ہیں کہ آپ نے پشاور میں تحریک آزادی کے درجنوں جلسوں کی قیادت کی اور اکثر و بیشتر شہداء کی نمازِ جنازہ قصہ خوانی بازار میں آپ ہی پڑھاتے۔

صاحبِ ''نیئر تاباں'' کے مطابق آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ آپ نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اگلے روز ارباب نور محمد خان (سینیٹر) اور گورنر فدا محمد خان آپ کے آستانہ پر تشریف لائے اور آپ کو ساتھ لیا (آپ کے ہمراہ اشرف خان، سید بہادر شاہ اور سالار نور احمد بھی تھے) اور آپ کو جناح پارک لے گئے جہاں آپ نے پہلی دفعہ اپنے ہاتھ سے سبز ہلالی پرچم لہرایا۔اِس موقع پر سردار عبدالرب نشتر، ارباب شیر علی خان اور ارباب جہانگیر خان بھی موجود تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح، سردار عبدالرب نشتر، صاحبزادہ عبدالقیوم خان، خان عبدالقیوم خان، گورنر فدا محمد خان اور کئی نامور لوگ آپ کے دیرینہ ساتھیوں اور چاہنے والوں میں سے تھے۔ظفر خان چشتی لکھتے ہیں کہ قائداعظم جب پشاور تشریف لائے تو آپ نے اُن کی خصوصی دعوت کی اور تنہائی میں کئی گھنٹوں اُن سے ملاقات بھی کی۔حکومت پاکستان کی جانب سے تحریک پاکستان میں آپ کی نمایاں خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۹ دسمبر ۲۰۰۷ء کو آپ کو (بعداز وفات) گولڈ میڈل سے بھی نوازا گیا۔

علم وادب: آپ علم وادب کے بھی انتہائی دلدادہ تھے اور آپ کو چودہ زبانوں پر عبور حاصل تھا جن میں انگریزی، اُردو، ہندکو، پشتو، فارسی، عربی، سندھی، گجراتی، بنگالی، مارواڑی، سنسکرت، روسی اور ہندی وغیرہ شامل ہیں۔آپ خود بھی ہندی زبان کے شاعر تھے اور شعراء وادباء کو از حد پسند فرماتے۔آپ کی رہائش گاہ (واقع اندرون ڈبگری دروازہ) پر سینکڑوں مشاعرے منعقد ہوئے اور کئی عہد ساز اور نامور شعراء اس میں شریک ہوئے جن میں فارغ بخاری، رضا ہمدانی، ضیاء جعفری، امیر حمزہ شنواری، رئیس امروہوی، عبدالودود اختر آصفی قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر مسعود زاہد ''بلہ دُنیا'' اور پروفیسر محمد شفیع صابر ''شخصیات سرحد'' میں لکھتے ہیں کہ یہ بھی آپ ہی کا کارنامہ ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے پشتو کے صوفی شاعر حضرت عبدالرحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار پر مشاعرے کی بنیاد رکھی جو ابھی تک جاری ہے۔ آپ کی علم وادب سے محبت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ پاکستان کی مشہور اور تاریخی علمی درسگاہ اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے لیے آپ نے صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو کم وبیش پچاس ہزار روپے کا چندہ بھی دیا تھا۔

سپورٹس: اِس کے علاوہ آپ کھیل کود کو بھی پسند فرماتے اور فٹبال کے انتہائی دلدادہ تھے۔ مشہور ادیب سید فارغ بخاری کے فرزند سابق صوبائی وزیر سید قمر عباس مرحوم ''عظیم پشاوری سپوت'' میں لکھتے ہیں کہ لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے پچھواڑے، ریل کی پٹڑی کے ساتھ ایک گراؤنڈ ہوا کرتا تھا جہاں فٹبال کی پریکٹس میچ ہوتے تھے۔ وہاں حضرت قبلہ پیر سید عبدالستار شاہ باچا جان اپنے ایک مرید کے ہمراہ آتے اور ایک کونے میں خاموشی سے کھڑے ہو کر میچ دیکھتے۔ ہم ان کی آمد کو بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

تصوف: تصوف کی دُنیا میں بھی آپ جیسی ہستیوں کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ آپ کو تمام سلاسل میں خلافتیں عطا ہوئیں۔ ۱۹۰۵ء میں آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ سید عبدالغفور شاہ سے خلافت عطا ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یعنی ۱۹۱۰ء میں آپ کابل تشریف لے گئے اور وہاں سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ سید حسن الگیلانی المعروف نقیب صاحب سے ملاقات کی اور پہلی ملاقات میں ہی اُنہوں نے آپ کو خلافت عطا کر دی۔

اِسی طرح سلسلہ سہروردیہ میں حضرت رشی بابا رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ۱۹۲۱ء میں چشتیہ سلسلہ میں آپ کو حضرت سائیں محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت عطا ہوئی۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ آپ پنے جد امجد حضرت سید پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد خیبر پختونخوا میں باقاعدہ طور پر سلسلہ چشتیہ کے بانی کہلائے۔

آپ کی شخصیت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے جس کے متعلق ''اسلام کی زندہ تحریک چشتیت'' کے مصنف عبدالغفور غوری لکھتے ہیں کہ آپ جب تحصیل علم کے لیے دہلی میں مقیم تھے تو آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اکثر و بیشتر حاضری دیتے۔ نہ جانے آپ کی کون سی بات بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی کہ اجمیر شریف میں درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے جنتی

دروازے پر آپ کا اسم گرامی ''سید عبدالستار شاہ پشاوری'' روحانی طور پر لکھا ہوا ظاہر ہوا۔ درگاہ شریف کے خدام نے اسے دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ بعد میں انہوں اُسے وہاں سے مٹا دیا۔ لیکن پھر اگلے ہی روز اُسی جگہ یہ نام لکھا ہوا پایا اور دوبارہ وہ نام وہاں سے مٹا کر کچھ پہرہ دار کھڑے کر دیئے جبکہ اگلے روز پھر پہرہ داروں کی موجودگی میں وہ نام دوبارہ وہاں لکھا ہوا پایا گیا۔ اُسی رات کو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے متولی نے اِس راز کو پالیا کہ یہ نام خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے لکھا جاتا ہے۔ ''روشنی کے سفیر'' میں ضیاء الحق سرحدی لکھتے ہیں کہ آپ کا نام آج تک اُس دروازے پر موجود ہے۔

نشان خواجہ غریب نواز: اِس کے علاوہ سید طاہر بخاری اپنے ایک سفر نامہ ''دَعقیدت سفر'' میں اور دیگر جملہ محققین بھی یہ لکھتے ہیں کہ آپ کو ایک تاریخی اعزاز یہ بھی ملا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اُن کے مرید خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال اپنے دست مبارک سے دہلی سے اجمیر شریف پا پیادہ سفر کر کے بڑی شان وشوکت کے ساتھ تشریف لاتے اور اجمیر شریف کے بلند دروازے پر ۲۵ جمادی الثانی کو ایک علم نصب کرتے اور پرچم کشائی کی جاتی جس کے بعد عرس کی تقریبات شروع ہوتیں۔

لیکن جناب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو اُس کے بعد یہ رسم پرچم کشائی ۶۹۰ سال تک معطل رہی اور اِس عرصہ میں کسی بزرگ ہستی کو یہ حکم نہیں ہوا کے وہ یہ رسم پرچم کشائی ادا کرے۔ تقریباً سات صدیوں بعد اگر پرچم کشائی کا اعزاز کسی کے حصہ میں آیا تو وہ شخصیت سید عبدالستار شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔

سلسلہ عالیہ قادریہ کی نامور روحانی شخصیت حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (بانی مدیر اعلیٰ الحسن) ''تذکرہ علماء ومشائخ سرحد'' میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۷ء میں آپ نے پہلی مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف کا نشان لہرایا جسے پچیس توپوں کی سلامی دی

گئی۔ امیر حمزہ شنواری ''تذکرہ ستاریہ'' اور ظفر خان چشتی ''نیرّ تاباں'' میں لکھتے ہیں کہ تقسیم ہند اور آپ کے وصال کے بعد یہ فریضہ آپ کے حکم پر وہیں پر مقیم آپ کے ایک عقیدت مند لعل محمد غوری کو سونپا گیا۔

لعل محمد غوری ۱۹۹۱ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو اُن کے برخوردار معین الدین غوری اُسی سال ۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء کو ہندوستان سے پشاور تشریف لائے اور باچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین سید واقف شاہ سے اجمیر شریف میں رسم پرچم کشائی کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر یہ فریضہ اُنہوں نے بخوبی نبھایا۔ معین الدین غوری ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو انتقال فرما گئے تو پھر اُن کے برخوردار فخر الدین غوری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ علاوہ ازیں باچا جان کو اُس دور میں اِسی فریضے کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ اجمیر شریف کے انگریز کمشنر سرکاری سند بھی جاری کی تھی۔

جشن تاجپوشی: اِسی طرح آپ کا ایک روحانی اعزاز ''جشن تاجپوشی'' بھی ہے جس کے متعلق آپ فرماتے کہ جس پر اِس دِن کی حقیقت اور اہمیت عیاں ہوگئی وہ اس دِن کو بڑی دھوم دھام اور خوشیوں سے منائے گا اور وہ دِن ۲۳ ذی الحجہ کا دِن ہے جسے آپ نے ۱۹۳۶ء سے لے کر اپنے وصال تک ہر سال بڑے پرتپاک انداز سے منایا۔ اس کے متعلق پروفیسر سید انور شاہ کاظمی لکھتے ہیں کہ اُس دِن پورے ڈبگری بازار کو دلہن کی طرح سجایا جاتا اور ایک جشن اور خوشحالی کا سماں ہوتا۔

میلاد النبی ﷺ: سید محمد انور شاہ قادری بخاری لکھتے ہیں کہ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ پشاور میں قیام پاکستان سے قبل ۱۹۴۳ء ''بزم میلادِ مصطفیٰ'' کے تحت جشن میلاد النبی ﷺ کے جلوس کی ابتدا بھی آپ ہی کی خواہش پر ہوئی اور حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ اِن جلوسوں کی قیادت باچا جان رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے۔

وصال: حضرت باچا جان علیہ الرحمہ نے ۲۱ جولائی ۱۹۵۴ء کو پشاور میں وصال فرمایا۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ ''عالم میں انتخاب پشاور'' میں مختار علی نیرّ لکھتے ہیں کہ ''آپ جب اس جہان فانی سے رخصت ہوئے تو پورے صوبہ سرحد (موجودہ خیبر

پختونخوا) میں بالعموم اور شہر پشاور میں بالخصوص سرکاری طور پر سوگ منایا گیا تھا‘‘۔

آپ کا مزار پشاور کے ڈبگری دروازہ کے باہر مرجع خلائق ہے اور ہر سال ۱۵ ذیقعد سے ۲۱ ذیقعد تک آپ کا عرس نہایت عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کے سجادہ نشینوں میں اول حضرت سید واقف شاہ علیہ الرحمہ، دوم حضرت سید محمد حکیم شاہ علیہ الرحمہ اور سوم (موجودہ سجادہ نشین) حضرت سید عبدالصمد شاہ دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔

حوالہ جات

۱: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

۲: تذکرہ ستاریہ، امیر حمزہ شنواری

۳: نیر تاباں، ظفر خان چشتی

۴: قدیم پشاور، پروفیسر خاطر غزنوی

۵: عالم میں انتخاب پشاور، ڈاکٹر سید امجد حسین ومختار علی نیرؔ

۶: عظیم پشاوری سپوت، سید قمر عباس

۷: شخصیات سرحد، پروفیسر شفیع صابر

۸: تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا کردار، پروفیسر شفیع صابر

۹: اسلام کی زندہ تحریک چشتیت، عبدالغفور غوری

۱۰: ثقافت سرحد تاریخ کے آئینے میں، قاری جاوید اقبال

۱۱: روشنی کے سفیر، ضیاء الحق سرحدی

۱۲: روحانی تڑون اور روحانی رابطہ، (پشتو) عبدالحلیم اثر افغانی

۱۳: دَعقیدت سفر (پشتو)، طاہر بخاری

۱۴: بلہ دُنیا (پشتو)، ڈاکٹر مسعود زاہد

تحریک پاکستان میں علماء ومشائخ کا کردار

حافظ محمد شاہد ودود قادری

اگست کا مہینہ ہمیں اس نوید مسرت کی یاد دلاتا ہے جسے پانے کے لیے ہم نے بہت کچھ کھویا۔ چودہ اگست ۱۹۴۷ء وہ دن ہے جس دن خواب کو تعبیر، تخیل کو تعمیر، تدبیر کو تقدیر، بیماری کو اکسیر، ظلمت کو تنویر اور ہمیں ارض بے نظیر نصیب ہوئی۔

'دیوانے کا خواب' مسلمہ حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر منکشف ہوا۔ خونِ شہیداں رنگ لایا، ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی سسکیوں پر رحمت خداوندی جوش میں آ گئی۔ پاکستان کیا آزاد ہوا گویا غلامی کی آہنی زنجیریں ریت کی دیوار کی مانند چٹخنے لگیں۔ دنیا کے دو بڑے ممالک انڈونیشیا اور چین کو بھی مہر آزادی دیکھنا نصیب ہوا۔ پاکستان کی آزادی کو ناممکن سمجھنے والے اندھے ہاتھیوں کی مانند بوکھلا گئے۔ انہوں نے اپنے سر پیٹ کے رکھ دیئے کہ آخر کس طرح ہندوستان بٹ گیا اور پاکستان بن گیا۔

پاکستان کا قیام گویا اعدائے پاکستان کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ ان کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک انہونی نے کس طرح حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔ انگریزوں کو رخصت کر کے اپنا تسلط جمانے کا خواب دیکھنے والے ہندو اپنی موت آپ مر گئے۔ تعلیمات رومی وسعدی رحمۃ اللہ علیہما کی بجائے کبیر اور تلسی داس کے فلسفے رائج کرنے والے منصوبہ ساز اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ جس عظیم قوم نے گورے فرنگیوں کی بساط لپیٹ کر انہیں ان کے گھر کا راستہ دکھا دیا ان فرزندان توحید کے نزدیک انگریزوں کے ان چٹے بٹے ہندوؤں کی گیدڑ بھبکیاں کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی سے شکست فاش کھانے والوں کی اولادیں نہ صرف کہ اپنے اجداد کے عبرتناک انجام بھول گئے بلکہ وہ یہ بھی یکسر فراموش کر بیٹھے کہ انگریزوں کی رخصتی کے بعد وہ جنہیں اپنا غلام بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے یہ وہ قوم ہے

؎ کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا

لیکن نہیں! انگریزوں اور ہندوؤں نے ہی صرف تخلیق پاکستان میں روڑے نہیں اٹکائے تھے بلکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کئی کلمہ گو بھی ہنود و نصاری کے اس منصوبے میں ان کے ساتھ مکمل طور پر شریک رہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ امت محمدیہ کو ہر دور میں اپنوں نے ہی زخم دیئے۔ تحریک پاکستان کا بھی یہ المیہ رہا کہ اس تحریک میں علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد قیام پاکستان کی مخالف قوتوں کی صف میں نظر آئی اور علماء بھی وہ جن کے قد کاٹھ، علمی مرتبے اور خاندانی پس منظر کو دیکھ کر گردن مارے ندامت کے جھک جاتی ہے کہ قیام پاکستان کی مخالفت وہ لوگ کر رہے تھے جن کے اسلاف نے یہود و ہنود اور نصاریٰ کے سر اور دل جھکائے تھے۔

صد حیف! کہ محراب و منبر کے یہ امین خانہ خدا میں کھڑے ہو کر پاکستان مخالف قوتوں کی حمایت اور قیام پاکستان کی مخالفت بڑے کر و فر سے کرتے نظر آئے لیکن 'ہر فرعونے را موسیٰ' کے مصداق علماء کرام اور مشائخ کاملین کا فراست دینی سے باشعور اور سیاست الٰہیہ سے باخبر طبقہ بھی دوسری جانب موجود تھا جس نے قیام پاکستان کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے نہ صرف نظریہ پاکستان کی حمایت کی بلکہ اسکے لیے دن رات بھی ایک کیا۔

تحریک پاکستان کے دوران جو نمایاں سیاسی قوتیں میدان عمل میں پوری طرح موجود تھیں ان میں آل انڈیا مسلم لیگ، آل انڈیا نیشنل کانگریس، مجلس احرار، خدائی خدمتگار تحریک اور جمعیت العلماء ہند قابل ذکر ہیں۔ اب مزے کی بات یہ ہے کہ تمام مذکورہ سیاسی جماعتوں کے اندر علماء اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ مسلم لیگ اور کانگریس دو بنیادی حریف سمجھے جاتے تھے اور ان دونوں جماعتوں میں کانگریس کے اندر مسلم لیگ کی نسبت علماء کی تعداد زیادہ تھی۔ مجلس احرار اور جمعیت العلماء ہند دینی جماعتیں تھیں لیکن یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ جمعیت العلماء ہند کے اندر قیام پاکستان کے حامی اور مخالف دونوں فریقین موجود تھے جبکہ مجلس احرار اور خدائی خدمتگار تحریک مکمل طور پر آل انڈیا نیشنل کانگریس کی ہم خیال تھیں۔

کانگریس کے سربراہ مولانا ابوالکلام آزاد پاکستان کے قیام کے سخت ترین مخالفین میں سے ایک

تھے۔ خدائی خدمتگار تحریک کے خان عبد الغفار خان، جنہوں نے عملی سیاست کا آغاز مجاہد ملت حضرت حاجی فضل واحد ترنگزئی المعروف حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اصلاحِ معاشرہ، انجمن اصلاح الافاغنہ اور تحریک خلافت سے کیا تھا، بھی قیام پاکستان پر مکر گئے۔ بانی مجلس احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری ندیم، جیسا شعلہ فشاں خطیب شاید ہی سرزمین ہندوستان پر پیدا ہوا ہو، انہوں نے اور ان کے رفقاء و تلامذہ نے قیام پاکستان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ندیم پاکستان مخالفت میں لمبی لمبی تقاریر کرتے، لفظ پاکستان پر خود ساختہ لطائف سناتے اور اور اکثر اوقات تو ذاتیات پر بھی اتر آتے۔ امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر اور سود کھانے والے ہیں۔ بخاری صاحب موصوف ہی کی مجلس احرار نے قائد اعظم کو 'کافر اعظم' بھی کہا۔ علاوہ ازیں جن علماء نے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ان میں شیخ حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، عبد الماجد دریابادی، سید ابو الاعلیٰ مودودی (بانی جماعت اسلامی)، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور مولانا مظہر علی اظہر شامل ہیں۔

دوسری طرف ان مشائخ عظام اور علماء کرام کے اسماء گرامی آتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں حصول پاکستان کے لیے وقف کر دیں۔ جنہیں قیام پاکستان کے موقف کی حمایت کرنے پر قتل کرنے تک کی دھمکیاں دی گئیں لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جدو جہد جاری رکھی کہ یہ جان تو ہے ہی پاکستان کے لیے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خوابیدہ عوام کو بیدار کیا، جنہوں نے ان کے تن مردہ میں روح پھونکی، جنہوں نے انہیں احساس حریت دلایا، جنہوں نے انہیں زندہ رہنے کا قرینہ سکھایا اور جنہوں نے قیام پاکستان کی اہمیت اجاگر کی۔

ان اکابرین میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی بھی تھے جن کے 'جوہر' اور 'شوکت' کو تاریخ سلام کرتی ہے۔ پیر سید محمد امین الحسنات مانکی شریف، پیر محمد عبد اللطیف زکوڑی شریف، برہان العاشقین حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی (سرحد)، پیر سید غلام محی الدین گولڑوی المعروف بابو جی سرکار، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا عبد الستار خان نیازی (پنجاب) اور پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی

(سندھ) رحمہم اللہ علیہم اجمعین یہ چند نام ایسے ہیں جن کی مساعی جمیلہ بسلسلہ نظریہ تحریک پاکستان اگر لکھنا شروع کر دی جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔

فاتحین ریفرنڈم پیر سید محمد امین الحسنات مانکی شریف، پیر محمد عبد اللطیف زکوڑی شریف اور حضرت سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہم نے خطہ سرحد میں قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ مذکورہ ہر سہ شخصیات کو قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی میزبانی کے شرف کے علاوہ قائد اعظم سے داد و تحسین بھی نصیب ہوئی۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری اس حد تک فرما گئے کہ مسلمانو! یہاں دو جھنڈے ہیں: اسلام کا اور کفر کا۔ بتاؤ کس جھنڈے کے نیچے جانا چاہتے ہو۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا وہ ہمارا مرید نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے، خبردار! اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ المعروف پیر صاحب پگارا شریف آزادی کا سورج دیکھنے کے لیے تختہ دار پر چڑھ گئے۔ علاوہ ازیں دار العلوم دیوبند کے علماء کا پاکستان کے حق میں بولنے والا طبقہ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا عماد الدین انصاری اور آپ کے فرزند ارجمند مولانا سعید الدین شیرکوٹی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی قیام پاکستان کے حق میں کھل کر بولے۔ دار العلوم دیوبند کے مفتی محمد شفیع عثمانی نے مسلم لیگ کے حق اور کانگریس مخالفت میں فتاویٰ تحریر کیے۔ آپ کے رسائل ''کانگریس اور مسلم لیگ'' اور ''افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ'' بہت مقبول ہوئے۔

مولانا سعید الدین شیرکوٹی تحریک پاکستان کے دوران زمانہ طالب علمی سے گزر رہے تھے، کئی مرتبہ قیام پاکستان کے حق میں بولنے پر پابند سلاسل بھی کئے گئے۔ انہوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ خود مولانا شبیر احمد عثمانی جو تحریک پاکستان اور اپنی دینی خدمات کے حوالوں سے اپنی ایک الگ تاریخ کے مالک ہیں، مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے دل و جاں سے خواہاں تھے اور پھر مولانا موصوف کے حصے میں یہ فضیلت آئی کہ انہیں بابائے قوم قائد

اعظم محمد علی جناح کی نماز جنازہ کی امامت کرنے کی عزت نصیب ہوئی۔

پاکستان درحقیقت اولیا اللہ کا فیضان ہے۔اس کی بنیادوں میں جہاں لاکھوں شہیدوں کا لہو شامل ہے وہاں اس کو عالم وجود میں لانے میں مشائخ عظام اور علماء کرام کی مساعی جمیلہ کو قطعاً فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ پاکستان اُسی روز آزاد ہو گیا تھا جس روز ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ بانی پاکستان کے فرمان کو تحقیقی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہندوستان میں اسلام پھیلانے کا آغاز عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو چکا تھا جب شمع رسالت مآب کے پروانے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہندوستان کے طول وعرض میں دین اسلام کی ضوفشانیاں کرتے نظر آئے۔

صحابہ کرام کے بعد اس خطہ میں اس عظیم فریضہ کی بجا آوری اولیاء اللہ کا مقدر ٹھہری۔اس خطہ کے عظیم و بے مثال ولی اللہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری المعروف خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے نوے لاکھ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل فرمایا اور آگے چل کے انہی مسلمانوں کے اخلاف نے ایک علیحدہ مسلم ریاست کی تشکیل کے لیے تحریک چلائی جسے تاریخ تحریک پاکستان کے عنوان سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔

تحریک پاکستان میں مشائخ عظام اپنی خانقاہوں میں نہیں بلکہ جلسہ گاہوں اور عوامی رابطے کی مہمات میں نظر آئے۔انہوں نے جان و مال اور حتیٰ کہ اولاد کی قربانیاں دیں اور ہمیں ایک سائبان عطا فرمایا۔جن بندگانِ خدا نے اس ارضِ مقدس کا حصول ممکن بنایا انہی نفوس قدسیہ کی برکتیں اس پاک دھرتی کی محافظ ہیں اور انہیں کے صدقے میں پاکستان ہمیشہ اندرونی و بیرونی شورشوں کے باوجود اللہ کی امان میں رہا۔اگر آج پاکستان آزاد ہے تو انہی اولیاء اللہ کی طفیل آزاد ہے۔

یہ اولیاء اللہ نہ صرف کے اس وطن عزیز کی جغرافیائی حدود بلکہ اس کی نظریاتی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں۔ پاکستان کی قدر اولیاء اللہ کے انعام کے طور پر ہی کیجیے اور اس کی ترقی وخوشحالی میں ویسا کردار ادا کیجئے جیسا کہ اس کی آزادی کی تحریک میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے سرانجام دیا تھا۔

حالاتِ حاضرہ

توانائی کے وسائل، مسائل اور حل

شبیر حسین امام

توانائی (بجلی و گیس) کے شعبے کے کئی ایک مسائل اور ان مسائل کی کئی ایک جہتیں ہیں۔ سادہ حل تو یہ ہے کہ جتنی چادر اتنے ہی پاؤں پھیلائے جائیں۔ طرزِ حکمرانی میں سادگی اختیار کر کے عوام کو احساس دلایا جائے کہ ان کے منتخب نمائندہ ہونے کے دعویدار معاشی مسائل و مشکلات کا بوجھ یکساں اُٹھائے ہوئے ہیں۔

دوسرا حل قومی پیداواری وسائل اور ایندھن کے روائتی و غیر روائتی (متبادل) ذرائع پر انحصار ہے۔ تیل اور گیس کے نئے ذخائر دریافت کرنے میں زیادہ محنت کی جائے اور اِس شعبے کو بھی 'چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک)' حکمت عملی میں شامل کیا جائے۔ ایندھن کی ملکی پیداوار میں خاطر خواہ اضافے سے درآمد شدہ ایندھن پر انحصار وقت کے ساتھ کم ہوتا چلا جائے گا۔

مارچ ۲۰۲۲ء میں منصوبہ بندی و ترقی کے وفاقی ادارے منسٹری آف پلاننگ، ڈویلپمنٹ اینڈ اسپیشل انشی ایٹوز نے ۲۰۳۰ء تک پیٹرولیم کی ملکی ضروریات کے بارے میں چودہ صفحات پر محیط تخمینہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''۲۰۲۰ء میں پیٹرولیم مصنوعات کی ۱۷ ملین ٹن کھپت ۲۰۳۰ء میں ۲۴ ملین ٹن ہو جائے گی۔'' جس کے لیے زیادہ درآمدات کرنا پڑیں گی اور پیٹرولیم کی زیادہ درآمدات کا مطلب زیادہ زرِمبادلہ کی صورت قومی خزانے پر بوجھ برقرار رہے گا۔ نتیجتاً عالمی مالیاتی اداروں سے سخت شرائط پر قرض لیا جاتا رہے گا۔

پاکستان میں توانائی کا بحران گھریلو اور کاروباری صارفین اور معمولاتِ زندگی کو متاثر کئے ہوئے ہے جبکہ ایندھن کی قلت اور طلب و رسد کے درمیان فرق میں ہر سال اضافہ پریشان کن ہے کیونکہ اسے

پورا کرنے کے لیے علانیہ اور غیر علانیہ بجلی و گیس کی لوڈ شیڈنگ کرنا پڑ رہی ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پاکستان میں گھریلو صارفین کے لیے ملکی ذرائع سے گیس کی رسد کم ہوتے ہوتے آٹھ فیصد ہو چکی ہے جبکہ گیس کی طلب میں سالانہ دو فیصد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اِس صورتحال کو نظریاتی مباحثوں کی بجائے سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو تیل و گیس کی قومی پیداوار میں اضافہ ہی توانائی سے جڑے مسائل کا حل ہے جس پر توجہ دینے اور پیٹرولیم پالیسی میں تبدیلی کے ذریعے گھریلو پیداوار میں اضافہ کرنا چاہئے۔

پن بجلی کے بڑے منصوبوں پر کام کے آغاز اور اُن کی تکمیل کی راہ میں حائل رکاوٹیں درحقیقت قومی ترقی کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ گیارہ سال قبل ۲۰۱۳ء میں شروع ہونے والے ۸۸۴ میگاواٹ کے سکھی کناری ہائیڈرو پراجیکٹ' بالآخر رواں ماہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

توانائی کے شعبے سے جڑے مسائل کا حل ڈائریکٹ فارن انویسٹمنٹ (براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری) بھی ہے جس کے لیے ملک میں سیاسی و معاشی استحکام اور اُن سبھی اعشاریوں کی اصلاح کرنا ہوگی جو انسانی حقوق اور آزادیٔ رائے کے تحفظ سے متعلق ہیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ پالیسی سازی کو ادارہ جاتی بنانے اور اسے کسی ایک شخص یا حکومت کی پسند یا سیاسی ترجیح پر منحصر نہیں ہونا چاہئے۔ ذاتی مفادات یا اَنا کے تصادم سے انتہائی اہمیت کے قومی ترقیاتی منصوبے تاخیر کا شکار ہوتے رہے ہیں یا پھر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قومی فیصلہ سازوں کو اس بات پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ فیصلہ نہ کرنا یا بروقت فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے قومی ترقی کی رفتار متاثر ہوتی ہے اور بالآخر محصولات کی صورت بوجھ عوام پر ڈال دیا جاتا ہے۔ بجلی کے بلوں میں انواع و اقسام کے ٹیکس اِس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے ملک میں سیاسی و معاشی استحکام کو فروغ دیا جائے۔

خلافت راشدہ کے آخری تاجدار

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

پیغمبر اسلام، سید الانس والجان، عالم علوم اولین وآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین بن کر مسند نبوت ورسالت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ نے تعلیمات اسلامیہ محمدیہ کا بہترین نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا اور اپنے اخلاقِ عالیہ سے عرب کے منتشر قبائل کو متحد فرمایا اور ایک کامل اور مکمل نظامِ حیات ان کو عطا فرمایا جس نے انسان کی مادہ وروحانی تعمیر وترقی اور نشو ونما کی مکمل رہنمائی موجود ہے۔

پیارے محبوب حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ نے نبی ورسول کی حیثیت سے مسلمانوں کے سیاسی و روحانی رہنما اور سرپرست بھی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال فرمانے کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ دینی اور دنیوی یکجہتی برقرار رہی اور حضور ﷺ نے اس مبارک اور زریں دور کی طبعی عمر کے بارے میں اپنی امت کو مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''میرے بعد خلافت راشدہ تیس سال تک رہے گی''۔

چنانچہ خلیفہ اول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر خلیفہ چہارم امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت تک ساڑھے انتیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ پھر چھ ماہ تک نواسہ رسول اکرم ﷺ سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے لختِ جگر، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے نورِ عین اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے برادرِ اکبر امام عالی مقام حضرت امام حسن علیہ السلام پانچویں اور آخری خلیفہ راشد کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہوئے سیاسی اقتدار سے دستبردار ہو گئے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جمال و کمال اور عادات و اطوار میں اپنے نانا جان جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر اتم تھے۔ خود حیدر کرار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''حضرت امام حسن علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل ہیں۔''

اس کی تائید امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرمودات سے بھی ہوتی ہے بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد ستاتی جو آپ کے دیدار کے ذریعہ اپنی پیاس بجھا لیتے اور اپنے دل کو تسکین پہنچاتے۔ آپ کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے ''تذکرۃ الاولیاء'' کے مصنف شیخ المشائخ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

شب از موئے سیاہش تیرہ ماندہ
زرویش ماہ روشن خیرہ ماندہ

جبکہ ہمارے ایک دوست شیخ القرآن والحدیث، ادیب شہیر، شاعر بے بدل حضرت علامہ سید خضر حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں

چاند شرمندہ ہے ان کا روئے تاباں دیکھ کر
پھول شرمائے چمن میں ان کو خنداں دیکھ کر

الغرض جس طرح پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفقت، محبت اور تالیف قلوب سے قبائل عرب کی عداوت وتعصب کی آگ بجھائی اسی طرح نواسہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے اخلاقِ حسنہ اور شفقت ورأفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفرت واختلافات اور فتنہ وفساد کے شعلوں کو ٹھنڈا کیا۔ آپ نے خونریزی اور شر انگیزی ختم کرنے کے لیے عظیم الشان قربانی پیش کرتے ہوئے حکومت سے علیحدگی فرمائی۔ بارگاہ رب العزت میں یہ ناقابل فراموش ایثار اس قدر مقبول ہوا کہ رب ذوالجلال نے خصوصی مہربانی وکرم نوازی فرماتے ہوئے روحانی قیادت وامامت کو آپ علیہ السلام اور آپ کے خاندان کا مقدر بنا دیا۔

چنانچہ علماء مسترشدین کے تصریحات کے مطابق ہر دور میں قطب واولیاء کے منصب جلیلہ پر آلِ

رسول ﷺ کو فائز فرمایا جاتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا (ان شاء اللہ)۔ بسا اوقات جب کبھی غیر سادات میں سے بھی اگر کسی کو قطبیت عطاء کی جاتی ہے تو پھر بھی انہی کے حلقہ مودت میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اس محسن انسانیت، شفیق و مہربان اور مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد اور یکجہتی کے علم بردار کا وجودِ باجود امت محمدیہ ﷺ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا تھا اور آپ کے فیوض و برکات سے عوام و خواص مستفیض ہو رہے تھے۔ ملت اسلامیہ کو ان برکات سے محروم کرنے کے لیے آپ کو کئی بار زہر دیا گیا جو کارگر ثابت نہ ہوا لیکن آخری بار ایک خطرناک قسم کا زہر پلایا گیا جس سے آپ کے قلب و جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگے۔ یوں آپ شہادتِ خفی کی امامت پر فائز ہو کر اس فانی دنیا سے الوداع ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

قطعہ

آغا سید شریف حسین شاکر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

اندھیری رات، ساحل دور، موجوں کے تھپیڑوں میں
نہیں کوئی خدا کے ماسوا اب آسرا اپنا
تلاش اس کی بڑی مشکل ہے، ملنا اس کا ناممکن
خدا جانے کہاں سویا پڑا ہے ناخدا اپنا

غزل

سید ضمیر جعفری

اپنی خبر نہیں ہے بجز ایں قدر مجھے
اک شخص تھا کہ مل نہ سکا عمر بھر مجھے

شعلوں کی گفتگو میں، صبا کے خرام میں
آواز دے رہا ہے کوئی ہم سفر مجھے

شاید انہیں کا عجز میرے کام آ گیا
جن دوستوں نے چھوڑ دیا وقت پر مجھے

شب کو تو ایک قافلہ گل تھا ساتھ ساتھ
یا رب یہ کس مقام پر آئی سحر مجھے

ہنستے رہے فلک پہ ستارے زمیں پہ پھول
اچھا ہوا کہ عمر ملی مختصر مجھے

مدت کے بعد اس نے سر انجمن ضمیر
دیکھا نگاہِ عام سے اور خاص کر مجھے

صفر المظفر میں چُوری، کھیر کی نیاز

سید محمد انور شاہ قادری بخاری

اسلامی تقویم یعنی سن ہجری کے دوسرے مہینے کو صفر المظفر یا صفر الخیر کہتے ہیں۔اس ماہ مبارک کے آخری بدھ کو مسلمان چُوری یا کھیر تیار کرتے ہیں اور اس پر رسول اکرم ﷺ کی روح اقدس کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ دلاتے ہیں جو خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔

صدیوں سے یہ روح پرور روایت قائم ودائم چلی آ رہی ہے لیکن گذشتہ کچھ عرصے سے ایک طبقہ اس کے خلاف سرگرم عمل ہے۔لہٰذا زیر نظر سطور میں اس مبارک نیاز کا پس منظر، شرعی حیثیت اور اہمیت و افادیت بیان کی جا رہی ہے۔ نیز معترضین کے اعتراضات کا جائزہ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

پس منظر: پیغمبر اسلام ﷺ گیارہ ہجری کو ماہ صفر میں بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں آپ ﷺ نے اس دنیائے فانی سے دارِ جاودانی کی طرف نقل مکانی فرمائی۔ابتدا میں آنحضرت ﷺ کو سر اقدس میں درد شروع ہوا، پھر بخار ہو گیا جس کی شدت میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔اس علالت کے دوران بھی سرور کونین ﷺ مسجد نبوی شریف میں باجماعت نمازیں پڑھاتے رہے لیکن جب مسلسل بخار سے جسم اطہر میں بہت زیادہ نقاہت پیدا ہو گئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امام مقرر فرمایا تا کہ لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائیں۔[۱]

یوں شمع رسالت ﷺ کے پروانے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے دیدار سے محروم ہو گئے۔ اس فراق وجدائی سے ان پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔روتے روتے چار صحابہ کرام اور تین صحابیات رضی اللہ عنہم کی بینائی جاتی رہی[۲]۔ چنانچہ اسی ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کو رسول اکرم ﷺ نے

۱بخاری شریف: کتاب الصلوۃ باب حد المریض الخ

۲الحسن (پندرہ روزہ)، شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور، جلد نمبر ۴ شمارہ ۸ ۴ صفحہ ۱۷

غسل فرمایا جس سے بخار کم ہو گیا اور حضور ﷺ نے طبیعت مبارکہ میں افاقہ محسوس فرمایا اور مسجد نبوی تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اس کا ذکر کرتے ہوئے روایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات مشکیزے پانی لا کر میرے اوپر بہا دو تا کہ میں لوگوں کو کچھ نصیحت کر سکوں۔ پس ہم نے آپ ﷺ کو ایک برتن میں بٹھا کر مشکیزے سے پانی ڈالنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے ہمیں منع فرمایا۔ پھر آپ ﷺ لوگوں میں تشریف لے گئے۔ پس انہیں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔[1]

پیارے محبوب ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام ﷢ خوشی سے جھوم اٹھے اور اس کرم نوازی پر رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ نوافل پڑھے اور صاحب استطاعت نے نقد رقوم اور طعام و اجناس کی صورت میں صدقات و خیرات کا اہتمام فرمایا۔ جن حضرات و حاضرات کی بینائی چلی گئی تھی انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس ان کی آنکھوں پر پھیرا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔[2]

آپ ﷺ کی اس بحالی صحت کا ذکر کئی دیگر روایات میں بھی آیا ہے۔ اس موقع پر ازواجِ مطہرات علیہم السلام نے طعام پکا کر تقسیم فرمایا جبکہ بنت رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی سلام اللہ علیہا نے میٹھا تیار فرمایا جو چوری یا کھیر سے ملتا جلتا تھا۔ اٹک کے اِس پار کابل تک کے پشتونوں میں چوری کی روایت اب تک برقرار ہے اور ان کے ہاں صدیوں سے یہ معمول بھی چلا آ رہا ہے کہ جب لڑکی کی منگنی ہوتی ہے تو سسرال والوں کی طرف سے ماہ صفر میں اس کے لیے چوری کا تحفہ آتا ہے جبکہ شادی کے بعد والدین کچھ عرصے تک ماہ صفر میں اس کے لیے چوری بھیجتے رہتے ہیں جو وہ اپنے خاندان، رشتہ داروں اور ہمسائیوں میں تقسیم کرتی ہے۔ اس قوم میں یہ سلسلہ ان کے جدِ اعلیٰ حضرت قیس عبد الرشید ﷛ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول فرمایا اور واپس آ کر دیگر دینی روایات کی طرح اس روایت کو بھی اپنایا۔

شرعی حیثیت: مفتی سرحد حضرت علامہ مفتی خلیل الرحمن صاحب قادری گلوزئی رحمۃ اللہ علیہ اس نیاز کا

---

[1] بخاری شریف: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ

[2] بخاری شریف: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو صدقہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے چوری یا کھیر وغیرہ (کی صورت) میں نیاز دینا شرعاً جائز بلکہ باعث اجرِ عظیم ہے''۔[۱]

ہمارے فقہائے احناف نے اعمالِ صالحہ کے ضمن میں شرعی احکام کی درجہ بندی یوں کی ہے: فرض، واجب، سنت اور مستحب یا مندوب۔ جبکہ غیر احناف (مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ) نے مستحب یا مندوب کو سنت ہی کے تحت شمار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سنت اور مستحب یا مندوب میں کوئی فرق نہیں ہے۔[۲]

مستحب یا مندوب کی تعریف: مستحب بلحاظِ لغت استحباب مصدر سے باب استفعال کا صیغہ ہے اور اس کا مادہ 'حب' ہے یعنی پسندیدہ جبکہ مندوب جو ہے تو یہ ندب سے نکلا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی اہم کام کی طرف بلانا، اکسانا، متوجہ کرنا اور فضیلتوں کی طرف پیش قدمی کی دعوت دینا ہے۔[۳] اس لغوی تعریف کے بعد اب اصطلاحی تعریف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شیخ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ''مستحب ایسا فعل ہے جس کے فاعل کی تعریف کی جائے اور تارک کی مذمت نہ کی جائے۔''[۴] حضرت علامہ علی حسب اللہ مستحب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''جس پر عمل کرنا باعث ثواب ہو اور بجالانا ترک کرنے سے بہتر ہو۔''[۵]

اور ماہ صفر کے آخری بدھ کو دی جانے والی یہ نیاز ایک مستحب یا مندوب فعل ہے۔

مفتی سرحد حضرت مفتی خلیل الرحمن صاحب قادری گلوزئی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں

''آخری چہار شنبہ کو صدقہ کرنا صحابہ کرام و ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اور اہل بیت

---

[۱] ایضاً الحسن، صفحہ ۱۷

[۲] طاہر القادری، ڈاکٹر، الحکم الشرعی، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۶، صفحہ ۱۹۱

[۳] ایضاً صفحہ ۱۸۹

[۴] ایضاً صفحہ ۱۸۹

[۵] ایضاً صفحہ ۱۹۰

اطہار علیہم السلام کا فعل ہے جس کا انکار کوئی معاند ہی کر سکتا ہے۔"[۱]

اہمیت: نیز مستحب یا مندوب کی مذکورہ بالا لغوی و اصطلاحی تعریف کی روشنی میں درج ذیل مسائل سامنے آتے ہیں جن سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے:

۱: یہ نیاز دلانا حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔
۲: اسے ادنیٰ اور معمولی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔
۳: یہ نیاز دلانا باعث اجر و ثواب ہے جس کا ذکر سابقہ سطور میں مفتی سرحد کے فتویٰ میں بھی ہو چکا ہے۔
۴: یہ نیاز دلانے والے، نہ دلانے والوں سے بہتر ہیں۔
۵: نیاز دلانے والوں کو مناسب نہیں کہ وہ اس کے تارکین کی مذمت کریں۔

اعتراضات: لیکن یہاں تو معاملہ الٹ ہے کہ تارکین اٹھ کر نیاز دلانے والوں کی برائی کرتے ہیں اور بڑے جارحانہ انداز میں انہیں مستحب فعل سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی اس پر بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں جو قطعاً غلط ہے اور مذکورہ بالا سطور میں اس کی شرعی حیثیت کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کے موقع پر یہودیوں نے خوشی منائی تھی اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس موقع پر ایک یہودی عورت نے چوری تیار کی تھی۔ لہٰذا تمہارا یہ فعل اس یہودن سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس طرح کی بے سروپا باتوں سے مسلمانوں کو اس نیاز سے منع کرتے رہتے ہیں۔

جائزہ: راقم الحروف کو معترضین کی یہ یہودی عورت والی روایت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔ بالفرض اگر یہ روایت صحیح ثابت بھی ہو جائے تو معترضین کے لیے فائدہ مند نہیں کیونکہ یہودیوں کے عمل اور مسلمانوں کے عمل میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق پایا جاتا ہے اور اس کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کی جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **الاعمال بالنیة** یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔[۲] چنانچہ یہودن نے یہ عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[۱] الحسن مذکورہ بالا صفحہ ۱۸ تا ۲۰

[۲] بخاری شریف کتاب الایمان۔

عداوت اور بغض کی نیت سے کیا ہوگا جبکہ مومنین کا عمل چوری یا کھیر کی نیاز دلانا رسول کریم ﷺ کی محبت وعقیدت پر مبنی ہے اور امہات المومنین وجگر گوشہ رسول ﷺ کی متابعت میں ہے۔اس کی مزید وضاحت کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور منافقین کی مثالوں پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

ظاہری طور پر دونوں کے اعمال ایک جیسے دکھائی دیتے تھے۔داڑھی، عمامہ، نماز اور روزہ وغیرہ عبادات میں دونوں آپس میں مشابہت رکھتے تھے لیکن دونوں کو اپنی اپنی نیت و ارادے کے مطابق بارگاہِ الٰہی سے الگ الگ بدلہ دیا گیا۔صحابہ کرام کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہہ کر جنت کی بشارت سے نوازا گیا جبکہ منافقین کے دعویٰ ایمان کی نفی کی گئی۔ان کے اعمال ضائع کردیے گئے اور وہ جہنم کے مستحق قرار پائے۔(سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع اور سورہ منافقون سے رہنمائی حاصل کریں)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ربانی سے بھی عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرہ:۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت علامہ جسٹس محمد کرم شاہ الازہری اس آیہ کریم کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''احناف کے نزدیک صفاء مروہ کے درمیان دوڑنا حج وعمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بت نصب تھے۔اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بت رکھے ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے تمہیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ مکرمہ کی سنت ترک کردو۔''[1]

بالکل اسی طرح چوری یا کھیر کی نیاز بھی بنت رسول ﷺ کی سنت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے امتی کو ہرگز مناسب نہیں کہ وہ یہودیوں کے عمل عداوت کو دلیل بناتے ہوئے اس سنت سیدۃ النساء

[1] الازہری کرم شاہ، ضیاء القراں، ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۰۲، جلد ۱ ص ۱۱۰

العالمین سلام اللہ علیہا کو ترک کر دیں اور یہود ن کی بدنیتی پر مبنی فعل کی مثال دیتے ہوئے مسلمانوں کو اس مستحب عمل سے روکیں اور منع کریں جس کی بنیاد نیک نیتی اور حب رسول ﷺ پر استوار ہے۔

مفسر قرآن شارح حدیث فقیہ افخم قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

''چوری اور کھیر دونوں جگر گوشہ رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ چوری تیار کر کے آپ نے اصحاب صفہ کے لیے بھیجی جبکہ کھیر تیار کر کے والد محترم شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، عالم علوم اولین و آخرین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ پیارے محبوب ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں حسنین کریم جناب علی المرتضیٰ اور ازواج مطہرات کو بھی بلا لیا اور پھر سب نے یہ کھیر تناول فرمائی اور پھر بھی باقی رہی تو اصحابِ صفہ کے لیے بھیج دی۔''

نیز آنجناب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ

''حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی جب گیارہویں صدی ہجری کے آخر میں پشاور تشریف لائے تو گیارہویں شریف کی نیاز کی طرح کھیر کی نیاز کا بھی یہاں آغاز فرمایا اور اس وقت سے خانوادہ قادریہ حسنیہ کے مشائخ عظام اس کا اہتمام کرتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا سادات کرام اور ان کے عقیدتمندوں کو چاہئے کہ وہ اس موقع پر کھیر پکا کر نیاز دلایا کریں۔''

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال اقدس ۲۰۰۴ء کے بعد آپ کے سجادہ نشین اور نورِ نظر سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی ہر سال حسب معمول یہ نیاز دلاتے ہیں۔ اہل پشاور اسے دیگچہ کہتے ہیں۔ اس موقع پر آستانہ عالیہ میں کئی دیگیں کھیر کی پکتی ہیں اور شہر بھر کے فقراء، مساکین، غرباء، درویش اور عامہ مسلمین آکر اس سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ اس موقع پر جو بھی دعا کی جائے اللہ تعالیٰ جگر گوشہ رسول حضرت سیدہ فاطمہ بتول سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے صدقے میں قبول فرماتا ہے خصوصاً رزق کی وسعت اور کشادگی کے لیے یہ نیاز بہت مجرب ہے۔

تبصرہ کتب

(تبصرے کے لیے کتاب کے دو عدد نسخے ارسال کئے جائیں)

نام کتاب: تفسیر القرآن الحسنیہ (سورۃ البقرہ)

مترجم و مفسر: (فقیر) سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: ۳۵۲

ہدیہ: مبلغ ۷۸۶ روپے

ملنے کا پتہ: شاہ محمد غوث اکیڈیمی، کوچہ آقا پیر جان یکہ توت شریف پشاور۔

تبصرہ نگار: محمد شاہد ودود قادری

عمدۃ المحققین، زبدۃ المفسرین، یکے از محدثین پشاور حضرت علامہ و مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی المعروف مولوی جی رحمہ اللہ علیہ نے سال ۱۹۴۱ء میں اپنے استاذ کامل، رئیس الواعظین، سند المحققین حضرت علامہ صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نقشبندی رحمہ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری علیہ الرحمہ) کی ہدایت وایما پر آستانہ عالیہ قادریہ حسنیہ یکہ توت شریف پشاور میں درسِ قرآن پاک کے سلسلے کا آغاز فرمایا تھا۔

چنانچہ اس ولی کامل کی زبانِ گوہر بار سے نورِ قرآن کی ضیاء باریوں کا سلسلہ کم و بیش چھ دہائیوں تک پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری رہا۔ نوے کی دہائی میں حضور مولوی جی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مریدین و تلامذہ میں سے سید محمد انور شاہ قادری بخاری اور سید یاسر بخاری قادری سے سورہ مبارکہ البقرہ کا مکمل ترجمہ، حلِ لغت اور تفسیر املا کی صورت میں سپردِ قرطاس کروایا (یاد رہے کہ یہ سلسلہ حضرت علیہ الرحمہ کے سفر و حضر کے دوران جاری رہا)۔

بحمدللہ تعالیٰ سال ۲۰۲۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ کے وہی دُروس ''تفسیر القرآن الحسنیہ'' (سورۃ

البقرہ) کے عنوان سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔

کتاب زندہ قرآن حکیم کی صوفیانہ تفسیر چودہ صدیوں سے مسلمہ ہے۔ تفسیر زیر تبصرہ اسی سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔ ''تفسیر القرآن الحسنیہ'' کا انفرادی وصف اور بے مثل حسن یہ ہے کہ ۲۸۶ آیات ربانی، ۴۰ رکوعات، ابتدائی اڑھائی پاروں سے کچھ کم اور سوا دو پاروں سے کچھ زیادہ کلامِ الٰہی کی اس طویل ترین سورت کو مترجم و مفسر و شارح علیہ الرحمہ نے جہاں عام اردو دان قاری کے لیے عام فہم بنایا ہے وہیں محققین و مدققین کے لیے حوالہ جات کے بھی انبار لگائے ہوئے ہیں۔ ہر آیت کے تفسیری لوازمات یعنی آسان ترجمہ، حل لغت (مشکل الفاظ کا نحوی حل) اور پھر تفسیر بیان فرمائی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے تفسیری حوالہ جات کی مد میں عرب و عجم کے مفسرین قرآن، محدثین کرام، صوفیائے عِظام اور سب سے بڑھ کر ہر مکتب فکر کی متبحر نمائندہ شخصیت کا حوالہ دے کر تفسیر کو چار چاند لگائے ہیں اور اسے ہر صحت مند ذہن کے لیے قابلِ قبول بھی بنایا ہے۔ گویا اس تفسیر کو پڑھنے والا ہر ہر لفظ کو اپنے مزاج اور فہم سے آشنا پائے گا اور یہی آشنائی اسے مزید پڑھنے کی انگیخت بھی دے گی۔

''تفسیر القرآن الحسنیہ'' کی ایک اور انفرادیت اس کا ادبی رنگ ہے۔ واقفانِ حال بخوبی جانتے ہیں کہ گفتگو میں ادبی آمیزش حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر ہٰذا میں بھی حضرت علیہ الرحمہ نے اکثر مقامات پر موقع محل کے مطابق فارسی اور اردو اشعار کا استعمال (سمجھانے کی غرض سے) کر کے کلامِ الٰہی کو پڑھنے والے کے لیے آسان تر بنایا ہے۔

''تفسیر القرآن الحسنیہ'' (سورۃ البقرہ) میں آیات ربانی کے ضمن میں عقائد کی گفتگو بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے۔ عقائد حق کی درستی اور ان پر ثابت قدمی کے حوالہ سے تفسیری گفتگو نیز دلائل کے انبار تشنگانِ علم کی کفایت کا سامان کرتے ہیں۔

اس سے پیشتر ''تفسیر القرآن الحسنیہ'' (سورۃ البقرہ) پندرہ روزہ ''الحسن'' کے صفحات پر قسط وار مکمل شائع کی جا چکی ہے لیکن اب کہ ''شاہ محمد غوث اکیڈیمی'' نے فائن کوالٹی امپورٹڈ پیپر پر دو رنگہ چھپائی میں شائع کی ہے۔ ٹائٹل پر پنّی کا دیدہ زیب کام مصری، بیروتی اور سعودی اشاعتی اداروں کا سا تاثر دیتا ہے۔